ترجمہ نگاری کے لیے بہت ہی اہم کتاب

مبادیاتِ ترجمہ نگاری

المعروف

ترجمہ کرنے کا طریقہ

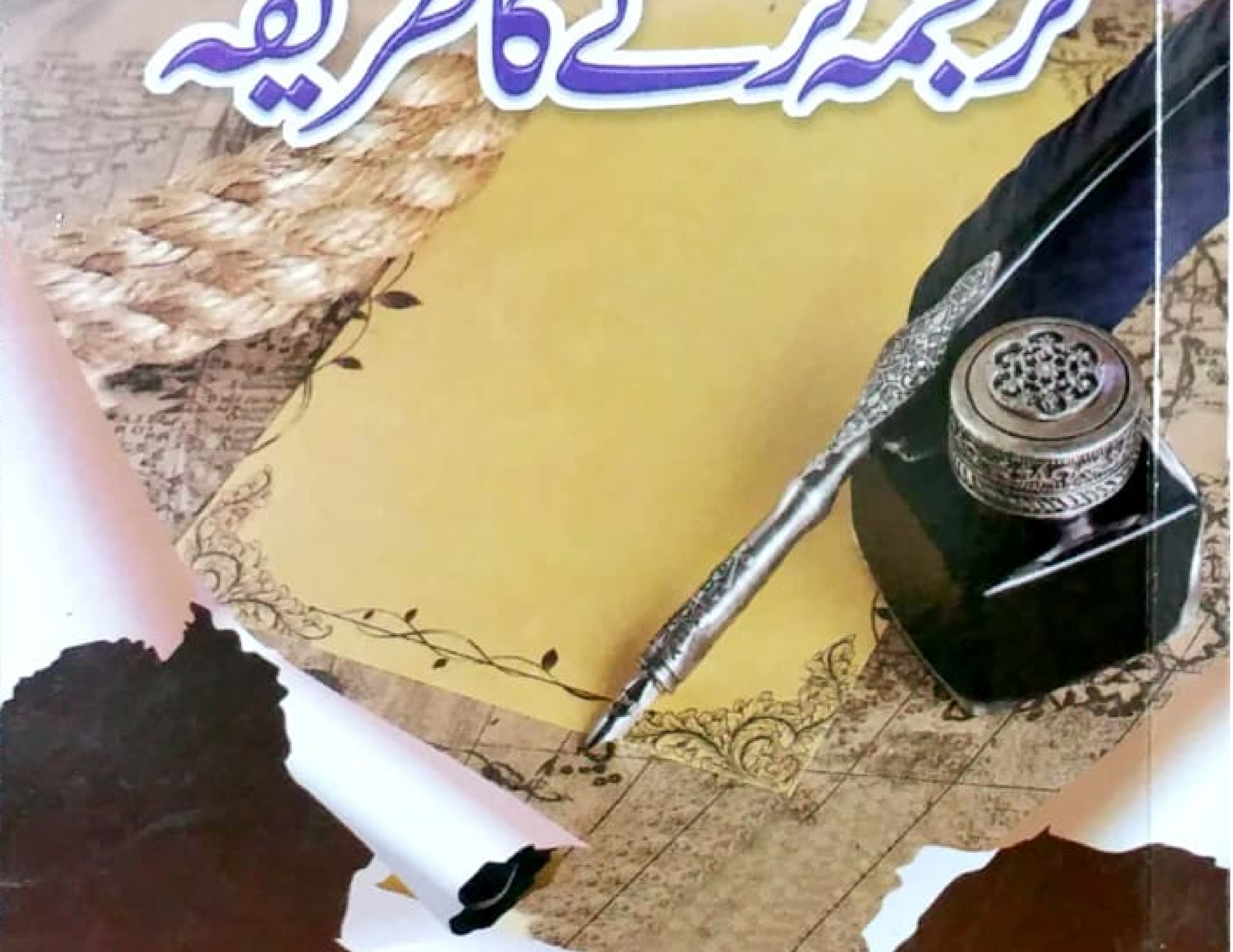

مصنف

ڈاکٹر انوار احمد اعجاز

(پی ایچ ڈی اردو (ریسرچ سکالر)

مُسلم کتابوی لاہور

Scanned by CamScanner

ترجمہ نگاری کے لیے بہت ہی اہم کتاب

مبادیاتِ ترجمہ نگاری

المعروف

ترجمہ کرنے کا طریقہ

مصنف

ڈاکٹر انوار احمد اعجاز

پی۔ایچ۔ڈی۔اردو (ریسرچ۔سکالر)

مسلم کتابوی لاہور

Scanned by CamScanner

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	مبادیاتِ ترجمہ نگاری (المعروف ترجمہ کرنے کا طریقہ)
مصنف	:	ڈاکٹر انوار احمد اعجاز
پروف ریڈنگ	:	ریاست علی مجددی
باہتمام	:	مسلم کتابوی، لاہور
صفحات	:	96
اشاعت	:	2019ء
ہدیہ	:	-/120 روپے

ملنے کا پتا

دفتر مرکزی مجلس رضا مسلم کتابوی

گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ، لاہور۔ 37225605

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درودِ اویسیہ کمالیہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی
مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِ
وَعَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

Scanned by CamScanner

انتساب

میرے مرشدِ گرامی، میرے حضور

فقیر پروفیسر باغ حسین کمال رحمۃ اللہ علیہ

(بانی سلسلہ اویسیہ کمالیہ)

میرے والدِ ذی وقار

حاجی مختار احمد ساجد رحمۃ اللہ علیہ

میرے اُستاذ مکرم

حضرت غلام مصطفیٰ البسمل رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

گر قبول اُفتد زہے عزو شرف

ڈاکٹر انوار احمد اعجاز

تعارف مصنف

نام	ڈاکٹر انوار احمد اعجاز
والد	مختار احمد ساجد رحمۃ اللہ علیہ
تعلیم	پی ایچ ڈی (اردو) سکالر
	ایم اے (پنجابی) ایم ایڈ (سپیشل ایجوکیشن)
وسیلہ رزق و عزت	تدریس
رہائش	کمال منزل عبداللہ کالونی کشمیر روڈ گوجرانوالا
رابطہ	0333 8235703
	0303 8235703
تصنیفات	شاعری ۱)......درداں بھری جھاں
	۲)......آپے رانجھا ہوئی
	تدوین ۱)......پنج گنج حاجی غلام قادر رحمۃ اللہ علیہ
	۲)......معراج نامہ قادر یار رحمۃ اللہ علیہ
	تراجم ۱)......سوہنی مہینوال سید فضل شاہ نواں کوٹی
	۲)......سسی پنوں ہاشم شاہ
	۳)......ہیر سید وارث شاہ
	تحقیق ۱)پروفیسر اسیر عابد کی ترجمہ نگاری (مقالہ ایم فل اُردو)
	۲)......مبادیاتِ ترجمہ نگاری

Scanned by CamScanner

حسن ترتیب

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
05	اِنتِساب	01
06	تعارفِ مصنف	02
09	نقد و نظر کے لیے حرفِ خوشبو	03
11	حُسنِ اہتمام کے لئے حرفِ گلاب	04
13	نکتہ ءنظر کے لیے حرفِ تحسین	05
16	ابتدائیہ	06
22	انسانی معاشرے میں زبان کا کردار	07
29	ترجمہ: لغوی و اصطلاحی معانی اور تعریفیں	08
40	ترجمہ کی ضرورت و اہمیت	09
46	ترجمے کی اقسام	10
48	ترجمے کی اقسام (موضوعاتی زمرے کے لحاظ سے)	11
48	ا۔ علمی ترجمہ	12
49	۲۔ ادبی ترجمہ	13
50	صحافتی ترجمہ: (آزاد ترجمہ)	14
51	ترجمے کی اقسام (فنی زُمرے کے حوالے سے)	15
53	ا۔ لفظی ترجمہ:	16

17	۲۔ آزاد ترجمہ	55
18	معتدل ترجمہ (تخلیقی ترجمہ)	56
19	ترجمے کے مقاصد	59
20	مقصد اوّل: معلوماتی	59
21	مقصد دوئم: تہذیبی	60
22	مقصد سوئم: جمالیاتی	63
23	ترجمے کا جواز	65
24	ترجمے کی راہ میں حائل رکاوٹیں	69
25	مترجم کی اہلیت	77
26	ترجمے کے اصول وضوابط	83
27	ترجمے کا ابلاغ	86
28	حوالہ جات	94
29	المراجع والمصادر	96

Scanned by CamScanner

نقد و نظر کے لئے حرفِ خوشبو

تخلیقات ہم زباں عہد سے نا آشنا کائناتوں تک ہمیشہ اپنی مسافت فقط ترجمے کے ذریعے ہی طے کرتی ہیں۔ تخلیقات کا حسن بلوریں اپنے پورے بانکپن کے ساتھ زندہ تراجم میں ہی فقط اُسی وقت جھلکتا ہے جب خلاق مترجمین کے ہاتھوں پہ معجزۂ فن نمود پذیر ہو۔ معاصر ادبی دُنیا میں اسی باعث ترجمہ نگاری اپنے پورے فنی و فکری جاہ و جلال کے ساتھ اپنے ہونے کا یقین دلا رہی ہے۔

فن ترجمہ نگاری کے ان گنت اسرار و رموز کی عقدہ کشائیاں کرتا ہوا زیر نظر تصنیف ''مُبادیاتِ ترجمہ نگاری'' اپنے دامن میں ایسی علمی دُنیاؤں کو لئے ہوئے ہے جس کو بحرِ بے کنار کا نام دیا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ عزیزم ڈاکٹر انوار احمد اعجاز نے اس موضوع پہ تحقیق و تنقید کا حق ادا کر دیا ہے۔ ترجمے کے لغوی و اصطلاحی معانی کی دُنیا سے لے کر اس کی جامع تعریفوں تک، تخلیقی دَور کے حامل تراجم کی ضرورت و اہمیت سے لے کر ان کی موضوعاتی اور ہیئتی تقسیم کے سبھی آفاق اور ان کے حقیقی خدوخال کی معنی آفرینیوں تک، تراجم کے تہذیبی، جمالیاتی اور معلوماتی مقاصد کی حشر سامانیوں کی گل رنگ رعنائیوں کے تذکروں تک، اس راہ کی آبلہ پائیوں اور راہ میں حائل کٹھنتوں اور مشکلوں کے پورے منظر نامے کے گیان تک اور ایک مترجم کی کامل اہلیتوں سے لے کر اس کی محنت شاقہ کے ابلاغ اور معنویت کے حاصل حصول تک۔ کون سا پہلو ہے جس پہ تحقیق کے جدید

سائنسی اور فکری انداز سے خامہ فرسائی نہ کی گئی ہو اس سب پہ مستزاد عزیزم ڈاکٹر انوار احمد اعجاز کے اپنے اُسلوب تحقیق و تنقید کی قطعیت کا اظہار کامل، ماشاء اللہ۔ سطر سطر اپنی جلوہ آرائیوں میں حرف و معانی کی ایسی دُنیاؤں کا حشر ساماں بیان لئے ہوئے ہے جس میں اظہار کے سبھی قرینے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ رقصاں ہیں۔ معاصر زبان کی باریکیوں لطافتوں اور گہرائیوں کی لذت بے پناہ کا عالم تو مجھ سے نہ پوچھیے اس کی داد تو حضرت غالب بھی دیں گے۔

عزیزم انوار احمد اعجاز تمہارے طرح دار تحقیقی و تنقیدی لفظوں کو میری بھی عمر لگ جائے کہ تو ہی تو میری تنقید و تحقیق کی روائت کا اکلوتا ماحصل ہے۔ خدا کرے کہ آنے والے زمانے تمہارے ان لفظوں سے ہمیشہ روشنی اور تابناکی کے نئے جہان پائیں۔ زبان و ادب کی سبھی تاریخیں اور تذکرے تمہارے ذکر کی خوشبو سے مست و رقصاں رہیں...... آمین۔

غلام مصطفیٰ بسمل

حسنِ اہتمام کے لیے حرفِ گلاب

اُردو اور پنجابی زبان و ادب کی معاصر تنقیدی اور تحقیقی روایت میں ڈاکٹر انوار احمد اعجاز کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے تنقیدی و تحقیقی اُسلوب میں فکر و نظر کے طرحدار چراغ لَو دے رہے ہیں، جن سے جہانِ علم و دانش میں بصیرت افروزی کے نئے در وا ہوتے ہیں۔ موضوعات کی کامل جامعیت کو اپنے دامن میں سمیٹے ان کا تنقیدی اور تجزیاتی انداز، جدید سائنسی طرزِ فکر کی تحقیق کا روپ لئے ہوتا ہے۔ ان کے رقم کردہ تنقیدی اور تحقیقی مقالے اردو اور پنجابی زبان کی علمی روایت کو درخشندگی عطا کرتے ہیں۔

فنِ ترجمہ نگاری کی بنیادی مباحث کو اپنے دامن میں سمیٹے ان کا یہ تازہ تحقیقی مقالہ جہاں ترجمہ نگاری کی ضرورت و اہمیت اور تراجم کی ادبی حیثیت میں خرد افروزی کو سامنے لاتا ہے وہیں اس کی اہتمام کے موضوعاتی اور فنی زُمرے کی اُن مباحث کو بھی اُٹھاتا ہے جس سے فنِ ترجمہ نگاری کی بہت سی نئی جہتوں کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ ترجمے کے جواز اور اس کی راہ میں حائل مشکلات کا تجزیہ کرتے ہوئے معاصر ترجمہ نگاری کے مقام و مرتبے کا تعین کرنے میں علمی و فنی دروبست کا اہتمام ہی اس مقالے کا ماحاصل ہیں۔

یہ یادگار علمی اور تحقیقی کام "مبادیاتِ ترجمہ نگاری" ترجمہ نگاری کے اُصول وضوابط اور اسرار و رموز" کے جہان کی نہ صرف بھرپور صورت گری ہے، بلکہ ترجمہ

نگاری کے ذیل میں ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کی تحقیق کے لئے ایک سنگ میل کی حیثیت سے تادیر رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا رہے گا۔

ڈاکٹر حفیظ احمد
ممتاز کالونی جی ٹی روڈ جناح پارک والی گلی گوجرانوالا

06.11.2018

Scanned by CamScanner

نقطہء نظر کے لئے حرفِ تحسین

ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ نگاری کی روایت صدیوں سے جاری ہے اور رہے گی، اِس کی وجہ سے ہی ایک علاقے کا انسان دوسرے علاقے کی زبان، رسم و رواج، رہن سہن سے کماحقہٗ واقف ہو سکتا ہے۔ اِس لیے ترجمہ نگاری حضرتِ انسان کی حصولِ علم کے لیے بہت ہی اہم ضرورت ہے۔

ہر فن کا کوئی نہ کوئی طریقہ کار ہوتا ہے جس کی بدولت اُس میں نکھار و التزام پیدا ہوتا ہے۔ سر دست ترجمہ نگاری کا فن پیشِ نظر ہے۔ جب تک ترجمہ نگار کو دونوں زبانوں پر کامل عبور حاصل نہ ہو اُس وقت تک وہ ترجمہ نگاری کا صحیح طور پر حق ادا نہیں کر سکتا، یہ بہت اہم فن بھی ہے اور کمالِ ہستیء انسان بھی۔

ترجمہ نگاری کے ضمن میں بڑے بڑے نامور با کمال صاحبانِ فکر و دانش ہو گذرے ہیں، جنہوں نے ایک علاقے کے رسم و رواج اور عادات و احوال کو اپنی زبان دانی اور دوسری زبان کی علمی دسترس سے دوسرے علاقے والوں کو روشناس کرایا۔

اگر کوئی کسی زبان کی کتاب کا ترجمہ اپنی زبان میں کرتا ہے تو اُسے صحیح حق ادا کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ ترجمہ کرتے وقت اُس میں اضافہ کر دیا جائے یا اُس کو کم کر دیا جائے، یہ طریقہ کار قطعی اچھا نہیں، بلکہ ضرورت اِس بات کی ہے کہ جس کتاب کا بھی ترجمہ کیا جائے وہ اس کے متن کے عین مطابق اور مکمل کیا جائے کہ

یہی ترجمہ نگاری کا صحیح حق ہے۔ راقم نے کئی ایک کتابوں کے تراجم کو جب اصل متن سے ملایا تو بڑی کوفت ہوئی کہ ترجمہ نگار نے اپنی من مانی کر کے اصل کتاب کا علمی حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے' کہیں بڑھا دیا ہے یا کہیں کم کر دیا ہے' پڑھنے والا کیا سمجھے گا' وہ تو یہی سمجھے گا کہ میں اصل کتاب ہی پڑھ رہا ہوں' اُسے کیا پتہ کہ ترجمہ نگار نے کتنی بددیانتی اور خیانت کی ہے۔ لہٰذا ترجمہ نگاروں سے راقم کی گذارش ہے کہ جب کسی ادبی شہ پارے کا ترجمہ کریں تو بس ترجمہ ہی کریں' اگر اس کتاب پر مزید کام کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو اُسے حاشیے میں کریں' یا پھر بڑا ہی شوق پورا کرنا ہے تو اُس کتاب کی علمی حیثیت پہ ایک علیحدہ کتاب تصنیف کر لیں' اصل کتاب کو اپنی اصلیت میں ہی رہنے دیں' خیانت سے اجتناب کریں۔

ترجمہ نگاری کے فن کے متعلق ہمارے تحقیقی اور تنقیدی جہان کے بڑے پیارے رفیق و مکرم ڈاکٹر انوار احمد اعجاز نے بہت ہی خوبصورت' دلنشیں کوشش کی ہے' گویا اس فن کے متمنیان کی سہولت کے لئے اُصول و ضوابط اور قاعدے' سلیقے قرینے سبھی اپنی اس تنقیدی کاوش میں پیش کر دیے ہیں۔ ترجمہ نگاروں سے التماس کروں گا کہ وہ موصوف کی اس محنت کو ایک بار ضرور اپنی نظر سے گذاریں' ان شاء اللہ علمی سطح پر استفادے کی نئی راہیں کھلیں گی اور ترجمہ نگاری کے میدان میں ان کی عزت بھی بڑھے گی۔

محترم ڈاکٹر انوار احمد اعجاز نے اس سے پہلے بھی اُردو اور پنجابی زبان و ادب کے تراجم کے میدان میں یادگار کوششیں کی ہیں' جو نہایت ہی اہمیت کی حامل ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد کی اس کوشش میں بھی جدید سائنسی طرزِ فکر ہویدا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ تحقیقی کام عرصہ دراز تک علمی حلقے میں اپنی انفرادیت کی بدولت چمکتا دمکتا اور ماہرین ترجمہ نگاری کو روشنی

Scanned by CamScanner

فراہم کرتا رہے گا۔

بارگاہ الٰہی میں دُعا ہے کہ ڈاکٹر انوار احمد اعجازؔ علمی دُنیا میں اپنی تخلیقی، تحقیقی اور ترجمہ نگاری کی سرگرمیوں کے باعث ہمارے عہد کو مزید باثروت کرتے ہوئے اس عہد کا وہ تابناک حوالہ بنیں جس پہ آنے والے زمانے ناز کرتے رہیں۔

ریاست علی مجددی
قاضی کوٹ، حافظ آباد روڈ گوجرانوالا
0304 3136715

ابتدائیہ

اقوامِ عالم کے علم و عرفان کے حقیقی سرچشموں سے اپنے حصے کے علم و آگہی اور نورِ بصیرت کو حاصل کرنے کی راہ میں جو بات سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ ہماری اور ان کی زبانوں کا فرق اور بُعد ہے۔ اس کو مٹانے کے لیے زبانوں پہ کامل علمی دسترس از حد ضروری ہے یا پھر ترجمے کے جہانوں کی سیرِ علمی کے ذریعے اپنی تشنگی کو بجھانے کا اہتمام (ایک حد تک) ہی کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ کیا ہے، اس کی ضرورت و اہمیت کیا ہے؟ اور اس کی غرض و غایت سے کس طرح سے نمٹا جا سکتا ہے؟ یہ وہ اصولی مباحث ہیں جن کا علم حاصل کیے بغیر اچھے تراجم کبھی بھی وجود میں نہیں آ سکتے ہیں۔ بے شک اصل تخلیق اور تحقیق اپنے علمی جاہ و جلال، شان و شوکت اور وفور کی کامل آئینہ داری کرتی ہے اور ترجمہ خواہ کتنا ہی علمی در و بست کا حامل ہو اس کا فقط عکس ہی ہوتا ہے جو کہ کسی بھی صورت میں کاملیت تامہ کا مظہر نہیں ہوتا۔ میری اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ترجمہ اصل تصنیف کا کبھی بھی نعم البدل نہیں ہوتا اور بہت خوبصورت، کامیاب، دلکش، رواں اور سلیس ہونے باوجود ترجمہ، ترجمہ ہی رہے گا کہ تکمیلِ فن کی جو حسن و خوبی اصل میں ہے وہ کبھی ترجمے میں آ ہی نہیں سکتی ہے۔ ترجمہ مصنف کے قلب و ذہن کی گہرائیوں میں اُتر کر اس کے خیال و فکر کے ابلاغ اور پھر اپنی زبان میں ترسیلِ خیال یا منتقلی کا ایسا عمل ہے جو اصل کے اندازِ ترسیل، طرزِ بیان، ادائے نگارش اور لب و لہجہ کے زیادہ سے زیادہ قریب رہتے ہوئے ہی کیا

Scanned by CamScanner

جاتا ہے۔ یاد رہے ترجمہ ایک زبان سے دوسری زبان میں لفظوں کی تبدیلی کا ہی نام نہیں ہوتا بلکہ سچی ترجمہ نگاری تو الفاظ و معانی و افکار اور اس کے پس منظر و پیش منظر میں موجود علمی، فکری، ثقافتی، معاشرتی، تاریخی اور عصری شعور کو ایک جیسے مقام اور مرتبے کے ساتھ تبادلے اور ابلاغ کا کام ہوتا ہے۔

یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہے کہ حقیقی اور تخلیقی ترجمے کی بہت سی مشکلات ہیں کچھ خاص الخاص اصول و ضوابط ہیں۔ بہت سی بنیادی ضرورتیں اور شرائط ہیں جن کو اگر ملحوظِ خاطر نہ رکھا جائے یا جن کو پورا نہ کیا جائے یا جن سے صحیح طرح عہدہ برانہ ہُوا جائے تو حقیقی ترجمہ وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ اصل تصنیف یا تحقیق کی زبان، اس کا لسانی ڈھانچہ اور اس میں اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کے در و بست سے فنی آگہی بنیادی شرط ہے۔ جس زبان میں ترجمہ کیا جانا مقصود ہے اس میں ماہرانہ دسترس، قدرت اور اظہارِ خیال کی کامل عکاسی کے لیے الفاظ، تراکیب اور اصطلاحیں وضع کرنے کی تخلیقی سطح پہ صلاحیت موجود ہونی لازمی و لابدی ہے۔ جس تخلیق کا ترجمہ کیا جانا مقصود ہے اُس کی زبان و بیان کی علمی باریکیوں، معانی کی نفاستوں اور ادبی تہہ داریوں سے کامل آگہی اشد ضروری ہے۔ مترجم اگر مصنف کے تخلیقی عہد کی زبان اور اس کے علمی ادبی فنی اور ثقافتی محاسن کی جزئیات سے آگاہ نہیں اور اپنے عہد کی زبان کی اُستواری اور حُسن و خوبی کے استعاروں سے برمحل عہدہ براٗہ ہونے کی کامل استعداد نہیں رکھتا تو پھر وہ مصنف کی اصل رُوح کو پاکر اپنی زبان کے مزاج کے نگینے میں بڑی عمدگی کے ساتھ کس طرح سے بٹھا سکے گا؟ اور ان سب پہ مُستزاد اگر اس میں ترجمہ کی صلاحیت، شوق و انہماک اور ادبی اصول و ضوابط سے گہری معاملہ فہمی ہی نہیں پائی جاتی تو کم از کم یہ بات واضح ہے کہ یہ اس شعبے کا مردِ میدان نہیں ہے۔ براہ کرم وہ

کہیں اور جا کر اپنی صلاحیتوں کو آزمائے یا اپنی منزل شوق کے لیے کوئی اور راہ ڈھونڈے کہ یہ جہان اس کا جہان نہیں ہے۔

ترجمہ کی معنوی، علمی اور ادبی اہمیت کے پیش نظر مترجم کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ اصل تصنیف و تخلیق کو ترجمے میں پوری دیانت داری کے ساتھ یوں پیش کرے کہ مصنف کے لہجے کی کھنک اور اُس کا آہنگ دونوں ہی اُس میں پورے حسن التزام کے ساتھ جلوہ گر ہو جائیں اور ترجمے کی زبان کے سارے جلوہ ہائے رنگینی و رعنائی بھی اس میں اپنی طرح دار لو دینے لگیں۔ لیکن یہ بات کبھی بھی اور کہیں بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ترجمہ کبھی بھی اصل تصنیف کا نعم البدل نہیں ہوتا ہے۔ ترجمہ خواہ کتنا ہی اصل تصنیف کے قریب ترین کیوں نہ ہو جائے ایسا ممکن ہی نہیں کہ اسے بطور نعم البدل لیا جا سکے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں ان کی قدر دانی یا حوصلہ افزائی کبھی نہیں کی جانی چاہیے۔

ہمارے ہاں بد قسمتی سے ہر شعبہ زندگی میں محنت' مہارت اور کاملیت کے بنیادی اصولوں کی بجائے شارٹ کٹ کے ذریعے ہر شے کو پا لینے بلکہ قبضہ کر لینے کی جو مذموم روایت بڑی مضبوطی کے ساتھ ہر سُو' ہر شعبہ زندگی میں جاری و ساری ہے۔ بس یہ جان لیں کہ ترجمے کے جہان میں بھی یہ روایت بڑی وافر مقدار میں موجود ہے۔ ایک پورے تسلسل کے ساتھ غیر مستند اور ناقص تراجم کے جہان ہی ہر سُو براجمان ہیں جس کے لیے یہ بات زیادہ بہتر رہے گی کہ یہ تراجم خالصتاً کم تر درجے کی تجارتی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر کیے اور کرائے جاتے ہیں۔ اور چونکہ ظاہر ہے کہ یہ تراجم کسی علمی دانش گاہ یا بارگاہ میں جواب دہ نہیں ہوتے اس لیے ان ہی پر گذارا کیا جانے کی صورتِ حال ہر سُو درپیش ہے۔ اب تو پچھلے کچھ سالوں بلکہ کئی دہائیوں سے ایک ہی ترجمے کے تراجم مزید کی جو گھناؤنی

Scanned by CamScanner

صورتِ حال نظر آ رہی ہے اُس پہ تو اہلِ علم سر پیٹ کر رہ گئے ہیں کہ یہ عہد ناپُرساں بھی ہمیں نے دیکھنا تھا...... **الامان الحفیظ**

ہمارے علمی، ادبی، سائنسی، سماجی، ثقافتی اور بالخصوص دینی وصوفیانہ ادب کی نادر تخلیقات کے کسی دو تراجم کو آمنے سامنے رکھ کر ان کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو حاصل مایوسی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا سب سے بڑا سبب شاید یہی ہے کہ ترجمے کے نام پہ جو کچھ ہو چکا یا ہو رہا ہے اس پہ از خود نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔ بالخصوص دینی اور صوفیانہ کتب کے وہ تراجم جن سے ہماری دینی آگہی کی کاملیت اور تزکیہء باطن و تعمیرِ سیرت کی حقیقی صورتِ حاصل وابستہ ہے یہاں تو اس امر کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کہ ترجمے کو اصل کا عکسِ کامل ہونا لازم ہے، وگرنہ منزلِ مراد تو کوسوں ہی دُور رہے گی۔

برصغیر میں انگریزی حکومت کے پنجہء استبداد سے قبل ہمارے تمام اکابرینِ عظام عربی و فارسی زبان و ادب کے مہ کامل ہوا کرتے تھے۔ ان کی محافل اور مجالس میں بیٹھنے والے اور ان کی زیرِ تربیت پڑھنے سیکھنے اور سمجھنے والے زبان و ادب کی سچی دولت سے ہمیشہ اپنے جھولیاں بھرے ہوتے تھے۔ ان کے گھروں اور ہمارے معاشرے کا عام چلن بھی دین اور معرفت کے ساتھ ساتھ علم و ادب سے جگمگا رہا ہوتا تھا۔ اس تناظر میں ہمارے پنجابی زبان و ادب میں عربی اور فارسی سے دینی، فقہی اور صوفیانہ کتب کے منظوم تراجم کی روشن روایت پہ ہم ہمیشہ نازاں رہیں گے۔

عصرِ حاضر میں بدقسمتی سے ہمارے سکولز، کالجز اور مدارس میں عربی فارسی اور پنجابی زبان و ادب کی تدریس کی طرف جو تساہل بلکہ دشمن داری کا سا سلوک کارفرما ہے اُس کے باعث ہم سب جس "اخلاقی زوال اور انحطاط" سے گزرتے

ہوئے قعرِ مذلت کی جن انتہائی پستیوں میں مسلسل گرتے ہی چلے جا رہے ہیں اس پہ الامان الحفیظ ہی کہا جا سکتا ہے۔

اللہ رب العزت بوسیلہ حضرت امام الانبیاء، خاتم الانبیا، نورِ مجسم، شفیع معظم، صاحب جود و سخا، حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب پہ کرم ارزانی فرمائے ......آمین۔

میری نہایت خوش بختی ہے کہ مجھے ایم فل اردو سطح پہ ترجمے کے فن، اصول و ضوابط اور اس کے مسائل و مشکلات کے بارے میں پڑھنے کا بھرپور موقعہ نصیب ہوا۔ اس فن کی مخصوص علمی شرائط اور اہلیتوں سے آگہی ملی۔ اس فن میں مجھے اساتذہ فن کے وقیع مضامین کے بالاستعیاب مطالعے کا موقعہ بھی ملا اور اس فن پہ لکھی گئی کئی کتب کی گہری غواصی بھی نصیب ہوئی۔ اساتذہ کرام کی تدریس اور رفقائے محترم کی مباحثی مجالس نے اس تناظر میں سیکھنے سمجھنے کے بڑے ہی گرانقدر مواقع عطا کیے۔ بالخصوص میرے دو رفقائے گرامی علامہ ریاست علی مجددی اور مولانا محمد نعیم اللہ خاں قادری نے تو اس حوالے سے مجھے کئی نادر مضامین و کتب فراہم کر کے میری آتشِ شوق کو اور بھی ہوا دی۔ ان دونوں دوستوں کے ذوق و شوق اور تجاویز و آراء نے مجھ پر ترجمے کے جہان کے ایسے عالم بھی ہویدا کیے جو فقط انہی کی برکت ہے مزید علامہ ریاست علی مجددی اور ڈاکٹر حفیظ احمد نے میری اس تحقیقی محنت پر جاندار تقاریظ لکھ حوصلہ افزائی فرمائی، اللہ تعالیٰ انہیں سعادت دارین سے نوازے۔ میرے والد گرامی حاجی مختار احمد ساجد رحمۃ اللہ علیہ اور میرے اُستادِ گرامی حضرت غلام مصطفےٰ بسمل رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ مجھے بزرگانِ دین اور صوفیائے عظام کی عربی، فارسی کتب کے اُردو، پنجابی تراجم کے مطالعے سے جس طرح سے جوڑے رکھا ہے۔ اس پہ ان کے لیے دُعائیں ہی میرے لبوں پہ

Scanned by CamScanner

ہیں۔ اللہ رب العزت ان دونوں عظیم المرتبت بزرگوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے......آمین۔

اس ضمن میں میرے رقم کردہ ایم فل اُردو کے مقالے کے ایک مکمل باب ''فن ترجمہ نگاری کے بنیادی مباحث'' کو ترمیم و اضافہ کے ساتھ اہل علم و صاحبان ذوق وشوق کے مطالعے کی نذر اور بالخصوص ترجمے کے گُل رنگ جہان کے دوستوں کی تربیت کے لیے پیش کرنے میں میرے والدین کی دُعاؤں' اساتذہ کرام کی علمی شفقتوں اور دوستوں کی فکری رفاقتوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سعادتِ دارین سے سرفراز فرمائے۔ اور فن ترجمہ نگاری کے تناظر میں سیکھتے سمجھتے ہوئے ہمیں دینی' اخلاقی اور صوفیانہ تصنیفات کے تراجم میں آسانیاں عطا فرمائے تاکہ ملت اسلامیہ کے ہر ذی نفس کے قلب و ذہن میں دین کی آگہی اور تزکیہ باطن کی استواری میں ہم اپنے حصے کا بھرپور اور روشن کردار ادا کرسکیں......آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

کمال منزل' عبداللہ کالونی
کشمیر روڈ' گوجرانوالا
0333 8235703
0303 8235703

ڈاکٹر انوار احمد اعجاز
پی ایچ ڈی۔ اُردو
(ریسرچ سکالر)

اِنسانی معاشرے میں زبان کا کردار

اللہ ربُّ العزت نے اِنسان کی تخلیق کرتے وقت اِس کی تشکیل اور تکمیل کے سارے لوازمات کا کامل التزام فرمایا۔ اِسے آنکھیں دیں تا کہ وہ اپنے گردو پیش کی ساری حیات کو دیکھ سکے۔ اِسے کان دیے تا کہ کائنات میں موجود ہر تخلیق کی آواز کو سُن سکے۔ اِسے ہاتھ دیے تا کہ دیگر مخلوقات سے اِستفادے کی خاطر انھیں تھام اور پکڑ سکے۔ اِسے پاؤں دیے تا کہ کائنات میں ہر سُو چل پھر سکے۔ اِسے دماغ دیا کہ سوچ و بچار کے ذریعے اپنی اور دوسروں کی زندگی کی ہر ضرورت میں اپنے حصے کا بہترین کردار ادا کر سکے۔ اِسے دل دیا تا کہ اس کے اندر جذبات و احساسات کا ایک جہان آباد ہو جو اِسے دوسرے اِنسانوں کے جذبات واحساسات سے باہم مربوط رکھ سکے۔ اِسے جنسی اعضاء دیے تا کہ نسلِ اِنسانی نسل کی پیدائش کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہ سکے۔ اور بالخصوص اِنسان کو دیگر تخلیقات اور مخلوقات سے امتیازی شان کی حامل زبان عطا کی جس کے ذریعے یہ لفظوں کی ادائیگی کر کے جیتی جاگتی زندگی میں پوری طرح سے شامل ہو سکے۔

اللہ ربُّ العزت کی طرف سے تخلیق کردہ کائنات کے راز اور اِرادے کا اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو ہمیں اِس کے پیچھے یہ راز پوری طرح سے کارفرما دکھائی دیتا ہے کہ اِنسان اپنے جیسے اِنسانوں اور ہم نفسوں کے ساتھ مل جُل کر ایک خوبصورت، متمدن اور محبت بھرے معاشرے کی بھرپور زندگی گذارے۔ اِس

ارادے کو تکمیل دینے کے لیے اللہ ربُ العزت نے اِنسان کو احسن تقویم بنایا۔ اس کے وجود کو اتنا مکمل بنایا کہ اپنی ذات میں انسان ایک مکمل اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِنسانی زندگی کی تمام طبعی ضروریات کی تکمیل اور تسکین کے سامان اس کے وجود میں عیاں و نہاں رکھ دیے۔

انسانی زندگی بنیادی طور پر دو اکائیوں' مرد اور عورت پر مشتمل ہے۔ ان دونوں افراد کے باہم ملنے سے ایک خاندان اور کئی خاندانوں سے مل کر ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ بے شمار معاشروں پہ مشتمل اِنسانی زندگی کا سلسلہ ایک دوسرے کی ضروریات اور ان کی تکمیل کے حوالے سے ایک دوسرے کے باہمی کردار کے تال میل سے زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل میں آگے کو رواں دواں ہے۔

اِنسانی معاشرے میں زبان کا کردار اس حوالے سے نہایت اہم ہے کہ تمام اِنسانی زندگی اس کے ذریعے آپس میں باہم مربوط ہے۔ اِنسان اپنی ضروریات' احساسات اور جذبات کے اِظہار کے لیے زبان کو استعمال کرتا ہے۔ اِنسان کے صدیوں کے باہمی تعامل سے ہونٹوں' دانتوں' زبان اور حلق سے پیدا ہونے والی آوازیں حرفوں اور لفظوں سے آگے بڑھ کر جملوں کا روپ اختیار کرتی ہیں' تو ان میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اظہار کی خوبصورت ترین شکل اختیار کرلیں۔ یوں زبان دانی کی بنیادیں اُستوار ہوتی ہیں۔ اِسی اُصول کے تحت دُنیا میں ہر مقام پر موجود اِنسانی معاشرے اپنے باہمی تعامل کے ذریعے اپنی زبان کی تخلیق، تشکیل اور تکمیل کرتے ہیں۔ ان کے باہمی تعاون اور بھائی چارے کے جذبے کی بدولت ان کا معاشرہ دوسرے معاشروں کے لیے ایک

اچھا نمونہ بنتا ہے جس سے معاشرے ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی ضروریات کی تکمیل میں ایک دوسرے کے دست و بازو بن جاتے ہیں۔ ماہرین لسانیات کے مطابق ایک معاشرہ ایک لسانی گروہ ہوتا ہے جس میں بسنے والے تمام افراد اپنی ضروریات، احساسات اور خیالات کے اظہار کے لیے ایک زبان کو ذریعۂ ابلاغ واظہار بناتے ہیں۔ یہ زبان ہے جس کے ذریعے اِنسان اپنا علم، تجربہ اور ثقافت سمعی، بصری اور تحریری روپ میں اگلی نسل کو منتقل کرتے ہیں۔ یوں انسانی زندگی کے ارتقاء میں زبان اپنا بھرپور اور مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔ ہر زبان کا اپنا ایک مخصوص لسانی ڈھانچہ ہوتا ہے۔ اس کے لفظوں کی آوازیں مخصوص اور ان کے تحریری نشان یا علامات مختلف ہوتی ہیں جن سے اس معاشرے کے افراد بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ اور ان کے سمعی اور تحریری روپ کی مدد سے اپنے علم اور ثقافت اگلی نسلوں کے لیے محفوظ کرتے ہیں۔

کوئی بھی تحریر یا کلام اُس وقت تک اپنے کامل ابلاغ کی حدوں کو نہیں چھو سکتا جب تک کلام کرنے والا اور حرفِ سماعت کا حظ اُٹھانے والا دونوں کی زبان ایک نہ ہو۔ دونوں اپنی زبان کے روز مرے محاورے، تراکیب، تشبیہات استعارات اور زبان کے دیگر لوازمِ فنی وفکری سے جس قدر بھرپور علمی آگہی رکھتے ہوں گے اتنا ہی دونوں کے درمیان ابلاغ کا عمل مکمل ترین ہوگا۔ اگر ہم دُنیائے عالم کی ادبی تاریخ پہ ایک اجمالی سی نگاہ ڈالیں تو ہمیں دُنیا کی تمام طبع زاد تحریریں اپنے اپنے ملکوں اور خطوں کی مروج زبانوں میں مرقوم ملتی ہیں۔ ان تحریروں میں جس علمی سطح پر لکھنے والے کا علم وشعور اور آگہی ہوگی اس سے استفادہ کا معیار بھی

Scanned by CamScanner

اتنا ہی بلند ہوگا اور اسی سے ادبِ عالیہ میں ان کے مقام و مرتبہ کا بھی تعین ہوگا۔

علم و حکمت کے موتی تمام انسانیت کی مشترکہ میراث ہیں۔ ہمارے نبیٔ مکرم، نورِ مجسم، شفیع المذنبین، خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا ہے: ''علم مومن کی گم شدہ میراث ہے اس لیے یہ جہاں سے ملے اسے لے لو۔'' اس تناظر میں ہم دیکھیں تو ہمیں دُنیا بھر کے علوم و فنون سے استفادہ کرنے کا حکم ملا ہے۔ دُنیا بھر کے مختلف خطوں کے لوگوں کی زبانوں کے اختلاف کے پیشِ نظر یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ ہم کس طرح سے دوسری زبانوں کے علوم و معارف سے استفادہ کر سکتے ہیں؟ اس کا سادہ ترین جواب یہ ہے کہ وہ علوم و معارف ہماری اپنی زبان میں ترجمہ ہو جائیں تو کما حقہ ہمارے ان سے استفادے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ ہم وہ زبان اپنی پوری کاملیت کے ساتھ یوں سیکھ لیں کہ اس زبان کے لسانی ڈھانچے، لغت اور گرائمر کے قواعد و ضوابط سے لے کر اس کے رواں اور شُستہ اُسلوبِ نگارش میں ہم کو کامل مہارت حاصل ہو جائے۔ یہ دونوں صورتیں ہم پہ ترجمے کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔

ترجمہ کیا اہمیت رکھتا ہے؟ معروف شاعر خالد احمد نے ایک چینی لوک کہانی کے ذریعے یہ بات یوں سمجھانے کی سعی کی ہے، ان کے مطابق:

''چینی مصوروں کے دو گروہوں میں نقش گری کے مقابلے کا اہتمام کیا گیا۔ ایک ہی کمرے میں دبیز پردہ لٹکا کر اُسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ دونوں گروہوں کو اپنے حصے میں پردے کے پیچھے فنی دستگاہ کے اِظہار کا موقع دیا گیا۔

مصوّروں کے ایک گروہ نے اپنے حصے میں خوبصورت نقش و نگار بنائے، جب کہ دوسرے گروہ نے اپنے حصے کی دیوار کو رگڑ رگڑ کر آئینہ کر دیا۔ جب درمیانی پردہ ہٹایا گیا تو نقشیں دیوار کے نقش و نگار اپنی تمام تر رعنائیوں اور رنگوں کے ساتھ آئینۂ دیوار میں منعکس ہو گئے۔" ا

یہ تمثیل ہم پہ ترجمے کے راز و نیاز کھولتی ہے کہ حقیقی ترجمہ وہی ہوتا ہے جس میں اصل تخلیق اپنے پورے حسن و جمال، دلبری و دلربائی کے ساتھ منعکس ہو جائے اور قاری کو اصل اور ترجمہ میں اِمتیاز کرنا محال ہو جائے۔ پڑھنے والا اصل زبان کے سارے شکوہ اور لوازماتِ فنی کو ترجمے میں اس طرح رواں دواں دیکھتا ہے کہ اُسے یہ دونوں ایک ہی تخلیق کار کے فن کا اعجاز دکھائی دیتے ہیں۔

اِنسانی زندگی میں ترجمہ یا ترجمانی کی روایت کتنی قدیم ہے اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس عہد کے انسان کو دیکھنا پڑے گا جس کی اپنی زبان ابھی تشکیلی دور سے گذر رہی ہو گی اور جس میں لفظ اور گرائمر ابھی اپنے ابتدائی روپ میں ہوں گے۔ اس تناظر میں ڈاکٹر خلیق انجم رقم طراز ہیں:

"ترجمے کا فن اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ اِنسان کی سماجی زندگی! جب ایک سماجی گروہ کو دوسرے گروہ سے سماجی رشتہ قائم ہونے پر ایک دوسرے کی بات سمجھنے کے لیے ترجمے کا سہارا لینا پڑا ہو گا، تو ترجمہ کچھ آوازوں اور اشاروں پر مشتمل ہو گا ... روں، سفیروں اور سیاحوں وغیرہ کی بنیادی ضرورت یہ تھی کہ وہ دوسرے لوگوں کو اپنی بات سمجھا سکیں۔

اس سے پہلے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کی زبان سمجھنے کے قابل
ہوتے کسی ترجمان کے ذریعے انھوں نے ایک دوسرے تک
اپنی بات پہنچائی ہوگی۔'' ۲

انسانی زندگی نے بتدریج جس طرح سے زبان اور زبان دانی کے تناظر میں ترقی کی اُسی رفتار سے انسانی معاشروں کو ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کے قریب آنے میں وقت لگا ہوگا۔ ظاہر ہے جہاں انسان کی زبان محض اشاروں یا چند آوازوں کا مجموعہ ہوگی وہاں دو گروہوں یا دو قوموں کے افراد ایک دوسرے تک اپنی ضروریات یا بات پہنچانے کے لیے ایسے افراد کے ضرور متلاشی ہوں گے جو ان دونوں کے درمیان کمیونی کیشن گیپ کو کم کریں یا ابلاغ کے بُعد کو سمیٹ سکیں۔ دونوں گروہوں کو ایک دوسرے کے قریب لا کر ان کے اِظہار و ابلاغ کی ساری منازل کو طے کر سکیں۔ یوں ہمیں اِنسانی زندگی کے ابتدائی ادوار ہی سے ترجمہ اور ترجمانی کی روایت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

اِنسان نے اپنے اندرون سے وابستہ احساسات، جذبات، خواہشات اور تجربات کو بیان کرنے کے لیے بول چال کی زبان کو جب تحریری زبان کے سانچے میں ڈھالا تو حقیقت میں علوم کی بنیاد پڑی۔ لکھے ہوئے مواد کو یاد رکھنا، سنبھالنا اور اُسے آگے منتقل کرنا ایک علمی سرگرمی ہے۔ انسان نے جب اپنی بول چال کو علامات کی مدد سے لفظوں کی صورت میں ڈھالا تو گویا حقیقی طور پر علم و آگہی کے در وا ہوتے چلے گئے اور انسانیت اپنی معراج کی طرف اور اپنے مقصدِ تخلیق کی طرف بڑی سُرعت سے گامزن ہوتی چلی گئی۔ مختلف جغرافیائی خطوں میں بسنے والے اَن گنت لسانی گروہوں کے اپنی اپنی زبان میں تحریری عمل کے باعث

علیحدہ علیحدہ زبانیں وجود میں آ گئیں۔ یہ زبانیں اپنی ہیئت، ساختی ڈھانچے، مفاہیم اور حرفوں کی علامات کے حوالے سے ایک دوسرے سے کہیں مختلف تھیں۔ ان کا دوسرے لوگوں کے لیے اور دوسرے معاشروں تک ابلاغ بہت مشکل تھا۔ جب کسی گروہ کے ایک ذہین فرد نے دوسرے گروہ کے قریب رہ کر اس کی زبان کے اسرار و رموز اور علائم سے آگاہی حاصل کی تو اس کے باعث دونوں گروہوں کی زبانیں ایک دوسرے کے علوم و فنون سے آشنا ہوئیں۔ یوں انسانی گروہوں کی ایک دوسرے سے علوم کی سطح پر تبادلے کی روایت کی داغ بیل پڑی اور ترجمے کے فن کی حسین روایت کا بھی آغاز ہوا۔

ترجمہ کے لغوی واصطلاحی

معانی اور تعریفیں

لفظ ترجمہ کی بہتر تفہیم کے لیے اُردو کی کچھ اہم لُغات سے اس کے معانی کو دیکھتے ہیں۔ فرہنگ آصفیہ کے مطابق:

''ترجمہ (اسم۔ مذکر) ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کیا ہوا۔'' ۳

نورُ اللغات میں اس کے معنی یہ لکھے ہوئے ہیں:

''ترجمہ۔ ایک زبان کی لغت کو دوسری زبان میں بیان کرنا۔

ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کیا ہوا۔'' ۴

علمی اُردو لغت اس کا یہ معنی بیان کرتی ہے:

''ترجمہ (ع، مذکر) ا۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کی گئی کوئی عبارت۔ ۲۔ کسی کی زندگی کا مرقع یا خاکہ'' ۵

آکسفورڈ ایڈوانس لرنرز ڈکشنری میں لفظ Translation کے ذیل میں یہ وضاحت ملتی ہے:

"Translation (verb) to express the meanings of speach or writing in a different language." ٦

ترجمہ کرنے والے فرد کو مترجم اور ترجمان کہا جاتا ہے۔اُردو کی لغات ترجمان کے یوں معانی بیان کرتی ہیں۔نورُاللغات کے مطابق:

''ترجمان: فصیح۔تیز زبان۔خوش تدبیر۔وہ شخص جو دو زبانیں جانتا ہو اور ایک زبان جاننے والے کو اس کی زبان یا دوسری زبان کا مطلب سمجھائے۔'' ٧

علمی اُردو لغت کے مطابق:

''ترجمان۔تشریح کرنے والا،تفسیر کرنے والا،سفیر یا ایلچی۔جو کسی کی نمائندگی کرے اُس کے لفظوں کو اپنے لفظوں میں سمجھائے۔'' ٨

فیروزُاللغات کے مطابق:

''ترجمان۔شارح۔مفسر۔تفسیر کرنے والا۔
کسی مقرر کی تقریر کا فی البدیہہ ترجمہ کرنے والا۔
وہ شخص جو دو مختلف زبانیں بولنے والے افراد کے درمیان رابطے کا کام کرے۔'' ٩

ترجمہ کیا ہے؟ اس کے لغوی و اصطلاحی معنی کیا ہیں؟ اس تناظر میں لکھتے ہوئے ڈاکٹر نگہت جمال رقم طراز ہیں:

Scanned by CamScanner

''ترجمہ بنیادی طور پر عربی زبان سے مستعار ہے اور اس کے لغوی معنی ایک زبان کے مندرجات یا کلام کی عکاسی دوسری زبان میں کرنے کے ہیں۔لفظ مترجم اور ترجمان بھی اس سے ماخوذ ہیں۔ترجمہ کا انگریزی مُترادف ٹرانسلیشن ہے' جولاطینی لفظ Translatis سے ماخوذ ہے' جس کا مطلب منتقل کرنا یا پہچانا ہے۔ جدید زبانوں نے اپنے اپنے لسانی مزاج کے مطابق اس لاطینی لفظ کو اسی مفہوم و معنی کے لیے اپنایا ہے۔ یونانی زبان میں ترجمے کے لیے Inetaphrasis کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے' جس نے انگریزی میں Metaphrase بمعنی لفظی ترجمہ کی صورت اختیار کر لی۔'' ۱۰

معروف ادیب اور نقاد مظفر علی سید' ترجمے کے لفظ و معانی کی حقیقت' اس کی ماہیت اور مفاہیم پہ یوں رقم طراز ہیں:

''ٹرانسلیشن کا لفظ مغرب کی جدید زبانوں میں لاطینی سے آیا ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں پار لے جانا۔اس سے قطع نظر کہ کوئی خاص مترجم کسی کو پار اُتارتا بھی ہے کہ نہیں؟ یہ مفہوم نقل مکانی سے لے کر نقل معانی تک پھیلا ہوا ہے۔اسی طرح اُردو اور فارسی میں ترجمے کا لفظ جس کا اشتقاق رابطہ، ترجمان اور مترجم دونوں سے ہے،عربی زبان سے آیا ہے۔ اہل لغت اس کے کم سے کم چار معنی درج کرتے ہیں۔ایک

سے دوسری زبان میں نقل کلام، تفسیر و تعبیر، دیباچہ اور کسی شخص کا بیان احوال یا تذکرہ شخصی ہے۔ یہ سب معانی باہم مربوط ہیں۔“ ۱۱

ترجمہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حسن الدین احمد لکھتے ہیں:

”جس طرح جذبات و احساسات، خواہشات اور تجربوں کا اِظہار کسی ایک زبان میں بول چال، تقریر یا تحریر کے ذریعے ہوتا ہے۔ اسی طرح اس اظہار کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت بھی پیش آنے لگی۔ اس منتقلی کا نام ترجمہ ہے۔ گویا ترجمہ اظہار نہیں ہے' بلکہ اصل اظہار کا عکس ہوتا ہے۔“ ۱۲

دیکھا جائے تو ترجمہ ہر زبان کی طرح اردو زبان و ادب کی ایک اصطلاح بھی ہے۔ اِس اصطلاح کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر نگہت جمال لکھتی ہیں:

”اصطلاحاً ایک زبان کے اِظہاری سرمائے یا فکر و خیال کو دوسری زبان کے سانچے میں ڈھال کر ایک نئی صورت دینے کا عمل ترجمہ نویسی کہلاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترجمہ نگاری کا عمل لفظی ساخت کو ایک اجنبی لباس، ایک نیا جسم اور روپ دینے کی سعی و کوشش ہے۔“ ۱۳

حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک زبان کے اظہاری سرمائے کو دوسری زبان میں ڈھالنا ترجمہ نگاری ہے۔ ترجمہ صرف ایک زبان سے دوسری زبان میں

Scanned by CamScanner

لفظوں کی تبدیلی کا نام نہیں ہوتا۔ سچی ترجمہ نگاری الفاظ و معانی و افکار اور اس کے پیچھے موجود علمی، فکری، ثقافتی، معاشرتی، معاشی، تاریخی اور نفسیاتی شعور کے ایک جیسے مقام اور مرتبے کے تبادلے اور ابلاغ کا نام ہوتا ہے۔ ایک ترجمہ نگار کو ایک ہی وقت میں دو دریاؤں کو پار کرنا ہوتا ہے۔ نفظ اپنی صورت و آہنگ اور سیرت وصورت کے اعتبار سے دُرِّ ناسفتہ ہوتے ہیں۔ انہیں ترجمے کے بلوریں شو کیس میں سجاتے ہوئے جمالیاتی ذوق، حُسنِ ادا اور فنی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک اچھا ترجمہ نگار اپنے ذوق و وجدان کے باعث اپنے قاری کو فنی و فکری ہالے میں لے کر تخلیقی عرفان کی نئی جہات کے در وا کرتا ہے۔ وہ بھرپور اعتماد کے ساتھ یہ ثابت کرتا ہے کہ قاری اصل متن کی نقل نہیں پڑھ رہا' بلکہ ایک ایسی اعلیٰ درجے کی تخلیق کا مطالعہ کر رہا ہے جس کے حرف حرف میں تخلیقی حُسن اپنی پوری دلبری و دلربائی کے ساتھ اور اپنی حقیقی آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

زبان بنیادی طور پر ایک ثقافتی ٹول ہے اور ترجمہ اُس پہ کیا گیا ایک ایسا فنی و فکری عمل ہے جس کی سائنسی اصولوں پر بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ ترجمے کا مقصدِ وحید ایک زبان کے علمی سرمائے کے مفاہیم کو پوری کاملیت کے ساتھ سمجھنا اور پھر اُسے پوری جامعیت کے ساتھ دوسری زبان میں سمیٹ کر پیش کر دینا ہے۔ اس بات کو ہم اس طرح سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ مترجم عمل ترجمہ میں فن اور ہُنر دونوں کے خصائص کو اپناتے ہوئے ایک الگ تحریر کو دوسری منفرد تحریر میں پوری کاملیت کے ساتھ سامنے لاتا ہے۔ موجود متن اور ترجمہ شدہ مواد میں ایک گونہ فکری و علمی ہم آہنگی یوں دکھائی دیتی ہے کہ متنِ اوّل تخلیق کے اندازِ فکر اور تخیل کی پوری معراج متنِ دوئم ترجمہ میں جلوہ ریز ہوتی ہے۔ دونوں زبانوں

کے ماہرین جب دونوں متنوں کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں تو دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پرتو دکھائی دیتے ہیں، حسن الدین احمد اس حقیقت کو یوں لکھتے ہیں :

> "ترجمہ کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ ترجمہ مصنف کے قلب و ذہن کی گہرائیوں میں اُتر کر اُس کے خیال و فکر کے ابلاغ اور پھر اپنی زبان میں ترسیلِ خیال یا منتقلی کا ایسا عمل ہے جو اصل کے اندازِ ترسیل، طرزِ بیان، ادائے نگارش اور لب و لہجہ کے زیادہ قریب رہتے ہوئے کیا جائے، تاکہ دوسری زبان میں منتقل ہونے کے باوجود اصل کا اندازِ تخاطب اور طرزِ تکلم برقرار رہے۔ ترجمے کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اختلافِ زبان کے باوجود اصل کا قریب ترین مفہوم ذہن نشین ہو جائے۔" ۱۴

ترجمے کی یہ تعریف اپنی جگہ پر بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اِس میں مترجم سے مصنف کی تخلیق کے ذریعے اس کے قلب و نظر کی وُسعتوں میں اُترنے کا تقاضا کیا جاتا ہے اور پھر اس کے خیال و فکر کو دوسری زبان میں ترجمانے کے لیے اس کے طرزِ بیان ادائے نگارش اور اسکے لب و لہجے کے التزام کی پاس داری مانگی جا رہی ہے۔ اس تقاضے کے باعث یقیناً ایسا ہی ترجمہ منصۂ شہود پر آئے گا جس سے ایک زبان کا مصنف دوسری زبان میں بھی اپنے اُسلوب اور طرزِ تحریر کی جُولانی کی حقیقی ترجمانی کے ساتھ زندہ ملے گا۔ ایسے تراجم کے مطالعے سے مشاہدات اور مطالعات، مشاہدۂ ذات سے مجاہدۂ کائنات تک کے رنگ میں

Scanned by CamScanner

رنگے جاتے ہیں' اس بات کو ڈاکٹر انیس ناگی اِس طرح سے واضح کرتے ہیں:

> ''حقیقت میں ترجمہ اصل متن کو ایک اجنبی زبان میں بحال کرنے کی کوشش ہے۔ اسے دونوں زبانوں کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ایسے متن کی تعمیر کرنا ہوتی ہے جو موثر ہو، رواں ہو اور کم سے کم اجنبیت کی حامل ہو۔'' ۱۵

مندرجہ بالا تعریف ہم پہ یہ عُقدہ بھی کھولتی ہے کہ ترجمہ دو اجنبی زبانوں میں کیے جانے والا ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ایک زبان کی تحریر دوسری زبان کے پیرائے اظہار میں ڈھلتی ہے اور اپنے حُسنِ ظاہری و باطنی کی چھب دکھلانے کی کاوش کرتی ہے۔ مترجم اگر کاریگر اور مشاق فنکار ہے تو یہ عمل تخلیقی حُسن اور رچاؤ کے سارے زاویوں کا عکاس ہوگا' لیکن اگر مترجم دونوں زبانوں کا کامل علمی شعور نہیں رکھتا تو ''ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا'' کی صورت حال وقوع پذیر ہو گی۔ جیلانی کامران نے ترجمے کے عمل میں دو الگ اور منفرد زبانوں کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ترجمے کے عمل پہ ایک نئے انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ ترجمے کے عمل میں دو الگ الگ زبانوں کے وجود کے اثبات کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''ترجمے کا عمل اُس وقت تک کارآمد نہیں ہوسکتا جب تک کہ مقابلے میں کوئی دوسری زبان نہ ہو۔ ایک ایسے علاقے میں جہاں لوگ ایک لسانی وحدت ہوں' وہاں ترجمے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب تک دو لسانی وحدتیں باہم سامنے نہ ہوں اور دونوں کے درمیان رابطہ نہ ہو ترجمے کا عمل

ظاہر نہیں ہوسکتا۔۔۔جب دولسانی وحدتیں باہم عمل پیرا ہوتی
ہیں تو نہ صرف متاثر ہونے والی زبان کے الفاظ ہی اس عمل
میں شریک ہوتے ہیں بلکہ اس زبان اور لسانی وحدت کے
معانی بھی دوسری زبان میں منتقل ہونے لگتے ہیں۔ایک سطح
پر ترجمے کا عمل متاثر ہونے والی زبان کے ذخیروں کو آزماتا
ہے اور دوسری سطح پر اُس لسانی وحدت کے علمی اور ثقافتی
تصورات میں اضافہ بھی کرتا ہے۔اس طرح ترجمے کے عمل
کے ساتھ قوموں کی علمی تاریخ پھیلتی اور بڑھتی ہے۔" ۱۶

حقیقت بھی یہی ہے کہ ترجمہ دو الگ الگ اور اپنے مقام پہ منفرد علمی زبانوں کے ذریعے ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔اس بھرپور عمل میں نہ صرف دونوں زبانوں کے الفاظ ہی شریک عمل ہوتے ہیں' بلکہ ایک زبان کے معانی بھی دوسری زبان کی پنہائیوں میں اُترتے ہیں اور ترسیل و ابلاغ کے عمل میں اپنے حصے کا کردار ادا کرتے ہوئے ایک تاریخی عمل کے ذریعے ہمیشہ کی زندگی پا جاتے ہیں۔اس عمل کے باعث نہ صرف قوموں کی علمی اور ثقافتی تاریخ میں تابندگی آتی ہے' اور بلکہ یہ عمل اُن کو آگے بڑھانے میں ان کی اثر پذیری اور وسعت میں بھی گراں قدر اضافے کا باعث بنتا ہے۔

جیلانی کامران ترجمے کے عمل میں ان دولسانی وحدتوں کے معروفِ عمل ہونے کے باعث جہاں ان کی علمی وفکری آبیاری اور بڑھوتری کی بات کرتے ہیں' وہیں ایک نازک اور گہری علمی صورتِ حال کی بھی نشاندہی کرتے ہیں' جو شاید ترجمے کی تاریخ میں فقط انھوں نے ہی کی ہے' اُن کے مطابق:

''ہم جس زبان سے ترجمہ کرتے ہیں اُس کے الفاظ ہمیں عزیز نہیں ہوتے اور نہ ہمیں اس کی لسانی خوبیوں سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔ ہمیں لفظوں کی شکل وصورت ان کے تلفظ اور ان کے حُسن اور موسیقی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ہے۔ دلچسپی ہوتی ہے تو صرف اس شے سے جو لفظوں کا لباس پہنے لفظوں کے پرے کسی طلسمی راز کے طور پر موجود ہوتی ہے۔ ہم اُسے برآمد کرنے اور اپنی زبان میں کامیابی اور ایمانداری سے منتقل کرنے کے لیے الفاظ کے سب ناطے اور اصل زبان کے سلسلے فراموش کردیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ اصل زبان مرچکی ہے اور ہم اس کے جادُو سے اپنی زبان کو زندہ کرنا چاہتے ہیں۔'' ١٧

جیلانی کامران کی اِس بات کی نفی اَثبات سے پہلے ہمیں یہ غور کرنا چاہیے کہ کیا فی الواقعی ایسی ہی صورتِ حال وقوع پذیر ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا ترجمے کے عمل کے دوران جو ایک زبان کا ادب دوسری زبان میں ترجمہ ہونے جارہا ہے واقعی اس صورتِ حال سے دوچار ہوتا ہے؟ کیا واقعی مترجم کو پہلی زبان کے لفظوں کی شکل وصورت' اُن کے تلفظ اور اُن کے حسن وخوبی سے کوئی دلچسپی یا لگاؤ نہیں ہوتا ہے؟ جی ہاں ایسا ہی ہے۔ مترجم کے لیے پہلی زبان کے الفاظ کا دروبست، اُن کا تلفظ اور اسکے حُسن وخوبی سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا ہے۔ وہ فی الواقع یہ چاہتا ہے کہ وہ مصنف کی تحریر میں موجود اس ادبی چاشنی، واقعیت اور جامعیت کو سمیٹ کر اپنی زبان میں اِس طرح سے پیش کردے کہ اس کی زبان کا ادب جگمگانے

لگے۔اس کا مقصدِ وحید یہی ہوتا ہے کہ ترجمہ اتنی جامعیت کا حامل ہو کہ مصنف کا مافی الضمیر پوری طرح سے اس کی اپنی زبان میں اس رچاؤ کے ساتھ در آئے کہ حقیقت اور انعکاس میں کوئی بُعد نہ رہے۔ایک اچھے ترجمے کی یہ سب سے بڑی خوبی ہے کہ قاری پڑھتے وقت مصنف کی تخلیق کی قرأت کا حظ اُٹھائے اور اُسے یہ احساس ہی نہ ہو کہ وہ تخلیق کی جگہ ترجمے کا مطالعہ کر رہا ہے۔اِس تناظر میں ترجمہ کرتے وقت پہلی زبان کے لفظوں کی شکل وصورت اُن کے تلفظ، اُن کے حُسن وموسیقی یا آہنگ بھلا کیسے دوسری زبان میں منتقل ہو سکتے ہیں؟ ہر زبان میں الفاظ کی اپنی مخصوص شکل اور ہیئت ہوتی ہے۔ان کا تلفظ دوسری زبان سے بے انتہا مختلف ہو سکتا ہے۔اس کا اپنا اندازِ تحریر اور املاء ہوتی ہے۔کئی زبانیں دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں لکھی جاتی ہیں۔کئی زبانیں اوپر سے نیچے کو لکھی جاتی ہیں۔کئی زبانیں لفظوں کی جگہ علامتوں کی زبان میں رقم ہوتی ہیں۔اِسی باعث زبانوں کے اپنے اپنے اندازِ گفتار ہیں۔حقیقت میں مترجم ہی ایک زبان کے ادب کو دوسری زبان کے ادب کا رُوپ دے کر دونوں زبانوں کے ادب کی معنویت کو اُجاگر اور واضح کرتا ہے۔ترجمہ کی تعریف کرتے ہوئے نصیر احمد خان نے چند لفظوں میں بات سمیٹ کر ترجمے کی معنویت کو بڑی خوبصورتی سے واضح کیا ہے،وہ لکھتے ہیں:

> ”ترجمہ محض ایک جسم کو دوسرا لباس پہنا دینے کا نام نہیں، بلکہ ایک جسم کے مقابلے میں بالکل ویسا ہی جسم تراش کر اُسے دوسرے لباس میں اِس طرح سے لے آنا کہ دونوں قالبوں میں ایک ہی رُوح ہو۔“ ۱۸

ترجمہ کی یہ تعریف حقیقی ترجمے کی پوری طرح سے عکاسی کرتی ہے کہ ترجمہ محض ایک زبان کے ادب کو دوسری زبان میں پیش کر دینے کا ہی نام نہیں، بلکہ ایک زبان کے ادب کے مرمریں بدن کو دوسری زبان کے ادب میں بالکل مماثل بلوریں وجود کی صورت میں تخلیق کرنے کا نام ہے۔اس پہ ترجمہ کی جانے والی زبان کے حُسن وخوبی کے سارے استعاروں سے دمکتے زرق برق لباس کو اس مرصع کاری کے انداز میں سی کر پہنانے کا نام ہے کہ اصل زبان کا سارا حُسن و دلکشی دوسری زبان کے پیرایہ اظہار میں اپنی لو دینے لگے۔

ترجمہ کی ضرورت واہمیت

اِنسانی زندگی اپنی ذات سے وابستہ ضروریات اوران کی تکمیل کے ذریعے اپنی ذات کو وسعت اور پھیلاؤ دینے سے عبارت ہے۔ جب تک کوئی چیز ہماری ضرورت نہ ہو ہم اُس کے حصول کے لیے کسی قسم کی جدوجہد نہیں کرتے۔ اِنسان اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہر حد تک جا سکتا ہے۔ ہم جدھر بھی نگاہ دوڑائیں ہماری ضرورتیں ہر سمت ایک بے کراں صحرا میں بکھری پڑی ہیں۔ ہم ترساں ولرزاں اُن کے پیچھے بھاگتے' ہانپتے' کانپتے' تھک کر'چور ہو کر گر جاتے ہیں۔ ضرورت اور ضرورت مند کے درمیان یہ فاصلہ ہماری ضرورت کی شدت کا پیدا کردہ ہے۔ اگر ہم یہ طے کرلیں کہ میری صرف فلاں ضرورت ہی لازمی ہے تو اس صحرا کی مسافت کچھ کم ہوسکتی ہے۔ ورنہ اس پیاس، آبلہ پائی اور کانٹوں بھری مسافت میں اذیت ناک موت سے ہم کنار ہونا ہمارا مقدر ہوگا۔ ضروریات میں جس قدر کمی ہوگی زندگی اتنی ہی سہل اور آسان ہوگی۔ ضروریات میں اہم اور غیر اہم میں امتیاز زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے حصول میں ہماری آسانیوں کی راہ کو متعین کرنے میں مدد دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ترجمے کی ضرورت کیا ہے؟ یہ سوال اس انداز میں اور بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر ترجمے نہ کیے جائیں تو ہماری کون سی ضرورت پوری ہونے سے رہ جائے گی؟ جیلانی کامران اس سوال کو اپنے مضمون ''ترجمے کی ضرورت''

Scanned by CamScanner

میں بڑی معنویت کے ساتھ یوں اُٹھاتے ہیں:

> ''ترجمے کی ضرورت، اس موضوع کے ساتھ ہی میرا ذہن شاہ عبدالقادر کے ترجمے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور جو سوال اُٹھتا ہے' یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر کو' قرآن کو اُردو میں ترجمہ کرنے کی ضرورت کیوں پڑی تھی؟۔۔۔عباسی دور کے عالموں کو پرانی کتابوں اور علوم کو عربی میں ترجمہ کرنے کی ضرورت کیوں پڑی تھی؟ اور یہی سوال ان کتابوں کے بارے میں بھی اُٹھتا ہے جنھیں مغل دور کے عالم فارسی میں ترجمہ کرتے تھے؟'' ۱۹

بے شک پہلے سوال کا جواب یہ آئے گا کہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ ہندوستان میں رہنے والے ''اردو بولنے والے'' لوگوں تک اللہ کی آخری کتاب ''قرآنِ مجید'' کے ترجمے کے ذریعے اللہ کا پیغام اور اس کا مفہوم پہنچانا چاہتے تھے۔ دوسرے سوالوں کا یہ جواب آئے گا کہ خالصتاً علمی تقاضوں کے تحت اپنے عہد کے لوگوں کو دیگر زبانوں کے علوم وفنون سے آشنا کرنے کی خاطر یہ ترجمے کیے گئے۔ ان جوابات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مترجم ترجمے کے ذریعے اپنے عہد کے لوگوں کو دوسری زبان کے علوم وفنون سے آگہی دینا چاہتا ہے اور اپنے زمانے میں علمی، سائنسی، صنعتی اور ادبی ترقی کا خواہاں ہے۔ ڈاکٹر انیس ناگی نے اس تناظر میں بڑی بصیرت افروز بات کی ہے:

> ''ترجمے کا عمل انسانی تمدن، مزاج اور تاریخ کی دریافت اور شناخت کا ایک بھرپور ذریعہ ہے۔ ابھی تک ہمارا

غیر ملکی دُنیا سے تعلق صحافتی اور اخباری سطح پہ رہا ہے۔ یعنی ہم یہ جانتے ہیں کہ فلاں ملک کس جگہ پہ واقع ہے؟ وہاں کس کی حکومت ہے؟ اور لوگ کون سی زبان بولتے ہیں؟ یہ تعلق معلوماتی اور علمی اعتبار سے افادی تو ضرور ہے لیکن وہاں کے جمہور کے سماج، تمدن اور زندگی کے ذہنی و جذباتی رنگ و آہنگ کی خبر نہیں دیتا۔ اپنے آپ کو جذباتی اور ذہنی سطح پر باخبر رکھنے کے لیے، دوسروں کا دکھ درد جاننے اور شرکت کرنے کے لیے ترجمہ ہی ایک وسیلہ ہے' جو خبر کا ذریعہ بنتا ہے' جو انسانوں میں اشتراک کا قرینہ پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ زبان کی توسیع، تمدن کے تعارف، اِنسانی کائنات کی دریافت اور تاریخ کے وقوف کے لیے ایک سے زیادہ زبانوں سے رابطہ پیدا کرنا ضروری ہے۔''[۲۰]

ترجمے کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے اُٹھائے گئے سوال کا یہ جواب ہم پہ یہ واضح کرتا ہے کہ ترجمہ آتے جاتے زمانوں کے اِنسانوں کی تہذیب و تمدن کی دریافت و شناخت کے سلسلے میں دوسری اقوام تک نہ صرف معلومات کی فراہمی کرتا ہے' بلکہ فکری سطح پہ ان کی شناخت میں ممد و معاون بھی ہے۔ تراجم کے ذریعے کسی قوم کے علمی' سائنسی' تاریخی' ادبی' صنعتی' سیاسی اور سماجی حالات و واقعات سے ہی نہ صرف آگہی ہوتی ہے' بلکہ دوسری اقوام ان تمام علُوم سے اِستفادہ کرتے ہوئے اپنی قومی ترقی کی رفتار کو بھی تیز کر سکتی ہیں۔ آج جب کہ دُنیا ایک گلوبل ولیج کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، ترجمے کے میدان کے ذریعے

Scanned by CamScanner

اقوامِ عالم ایک دوسرے سے جغرافیائی، سیاسی اور تمدنی بُعد کو دور کرتے ہوئے اِنسانیت کی فلاح و بہبود کے سارے خاکوں میں رنگ بھر سکتی ہیں۔ دوسری قوموں کے ادبی تراجم کے مطالعے کے ذریعے ہم ان لوگوں کے مزاج، تمدن اور جذباتی و ذہنی رنگ و آہنگ سے باخبر رہ سکتے ہیں۔ ادب کے جدید تر رجحانات اور ادب میں ہونے والے نئے ادبی مباحث کے ذریعے ہم سیکھتے' سمجھتے ہوئے اپنے ادب کو عالمی ادب سے ہم آمیز کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر نگہت جمال اس تناظر میں ترجمے کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "کسی قوم، تہذیب اور معاشرے کے لیے ترجمہ کی اہمیت مسلّم ہے۔ تہذیبی زندگی کے آغاز سے موجود سائنسی، ایٹمی اور تہذیب یافتہ دور کی تشکیل و تعمیر کے مختلف مراحل تک عملِ ترجمہ نے بھی دیگر عوامل کے ہمراہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ قدیم ترین تہذیبوں کے علوم اور فنون آج بھی زندہ ہیں' تو صرف عملِ ترجمہ کی بدولت۔ زبانیں تخریب و تعمیر کے عمل کا شکار ہوتی ہیں' لیکن ان کے علمی و ادبی شاہکار' مثلاً کالی داس کی شکنتلا اور ارسطو کی بوطیقا آج بھی موجود ہیں۔۔۔۔ ترجمہ تخلیق تو نہیں' لیکن مختلف زبانوں، تہذیبوں، ملکوں اور زمانوں کے درمیان رابطے اور پُل کا کام کرتے ہوئے انکشاف اور دریافت کی خاصیت اپنا لیتا ہے۔ اقوامِ عالم کی علمی، مذہبی اور ثقافتی تاریخ میں تراجم افکار کو سمو لیتے ہیں اور ذہنی و فکری اجتہاد کی راہیں بھی اِسی کی بدولت نکلتی ہیں۔"[۲۱]

ترجمے کے وجود کی اہمیت' اس کی افادیت کے تناظر میں ہمیں پوری وضاحت یوں مل جاتی ہے کہ اگر ترجمے کا باب نہ ہوتا تو ایک خطے کے اِنسان دوسرے خطے کے اِنسانوں کی علمی' فکری اور سائنسی ترقی سے نا آشنا ہی رہتے۔ ایک تہذیب دوسری تہذیب تک کا سفر کبھی اتنی کامیابی سے طے نہ کر پاتی اور آج انسانیت جس ادبی' سائنسی، معاشی، عمرانی اور سیاسی معراج کو پہنچ چکی ہے اس کی خشتِ اوّل ترجمے کے ذریعے ہی رکھی گئی ہے۔ ترجمے کے ذریعے ہی کسی قوم کے عُلوم سے دوسری قوم استفادہ کرتی ہے اور اسی کے باعث ہی ترقی کی تمام منازل بڑی سُرعت سے طے کرتے ہوئے دیگر اقوام کے شانہ بشانہ کھڑی ہو جاتی ہے۔ دُنیا کی سبھی اقوام ترجمے کی بدولت ہی فلسفہ، طب، معاشیات، نفسیات، سیاسیات، عمرانیات اور دیگر سائنسی علوم کو ترقی یافتہ قوموں سے حاصل کرتی ہیں اور اپنی قوم کی تعمیر و ترقی میں ان کو برت کر ترقی کا سفر طے کرتی ہیں۔

آج ہم گرد و پیش میں ہر سُو جس ترقی یافتہ اور تمدنی اِرتقاء کی صورت حال کو ملاحظہ کر رہے ہیں یہ سب دُنیا کی دیگر اقوام کے علوم و فنون سے بالواسطہ یا بلا واسطہ استفادے کا ہی باعث ہے۔ ترجمہ اس ذیل میں ایک بہترین معاون اور مددگار کی حیثیت سے اس ترقی کا رفیق ہے۔ معروف ترقی پسند دانشور ظ۔ انصاری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''ترجمے کے ذریعے ایک مخصوص ملک' ایک جغرافیائی علاقے اور ایک خاص قوم کی تحقیقات، اس کے علوم اور اس کے فنون' تمام اِنسانیت کی مِلک بنتے ہیں۔''[۲۲]

ترجمے کے ذریعے ہی سبھی کے علوم' سبھی کی ملکیت بنتے ہیں' اگر ترقی پذیر

Scanned by CamScanner

ممالک ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ قدم بہ قدم چلنا چاہتے ہیں تو انھیں اَخذ و ترجمہ کے میدان کو مزید وسعت دینی ہوگی اور عالمگیر ثقافتی اور عملی سرگرمیوں کے لیے ہر شعبے میں بھرپور شرکت کے ذریعے اپنی ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنا ہوگا۔ آج ستاروں پہ کمند ڈالنے کے لیے دُنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے سائنسی، ایٹمی، طبی اور معاشی علمی خزانوں کو اپنی زبان میں ترجمہ کرنے کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے کہ آج علوم وفنون بڑی سُرعت کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں۔ جو اقوام ان کی تیز رفتاری میں ان کے ہم قدم نہیں ہوں گی وہ قومیں ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائیں گی۔ اس لیے ترجمے کی ضرورت اور اہمیت کل کی نسبت آج بہت زیادہ ہے۔ ترجمہ اقوامِ عالم میں افہام وتفہیم کے نئے در وا کرتے ہوئے اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ اس تناظر میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے ترجمے کی اہمیت پہ اتنی وضاحت سے بات کر دی ہے کہ میرے خیال میں بات ان کی بات پہ ہی ختم ہو جاتی ہے' ان کے مطابق:

> ''ترجموں کی اہمیت یہ ہے کہ ایک طرف تو اس کے ذریعے نئے خیالات زبان میں داخل ہوتے ہیں جس سے ذہنی جذب وقبول کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور دوسری طرف زبان کی قوتِ اظہار میں نئے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ زبان بھی بدلتے ہوئے طرزِ احساس کے بیان پر قدرت حاصل کر کے احساس وخیال کی نئی نئی تصویریں اُبھارنے کی اہل ہو جاتی ہے۔'' ۲۳

ترجمے کی اقسام

ترجمہ نگار یا مترجم کے لیے کم از کم ان دونوں زبانوں سے بھرپور آگہی ضروری ہے، جن کے درمیان وہ اپنا علمی و عملی کام "ترجمہ" سرانجام دینے جا رہا ہے۔ وہ زبان جس سے ترجمہ کیا جانا مقصود ہے اس کو ماہرین سورس لینگوئج SL کا نام دیتے ہیں اور جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے، زبان کے ماہرین اُسے ٹارگٹ لینگوئج TL کے نام سے پکارتے ہیں۔ عام طور پر ترجمہ کرتے وقت ان میں سے ایک زبان مادری یا قومی زبان ہو سکتی ہے۔ جبکہ دوسری زبان اکتسابی ہوتی ہے۔ بعض اوقات صورتِ حال اس سے بالکل مختلف بھی ہو سکتی ہے اور دونوں زبانیں یعنی سورس اور ٹارگٹ اکتسابی بھی ہو سکتی ہے۔ پہلی صورت میں ترجمہ کاری زیادہ بہتر انداز میں ممکن ہوتی ہے، بلکہ اس سے بھی بہتر نتائج اس وقت دیکھنے میں آتے ہیں جب اکتسابی زبان میں رقم کسی تحریر کو اپنی مادری زبان میں ترجمہ کیا جائے گا۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہوگی کہ مادری زبان کو ہر ادیب پوری طرح سے سمجھتا ہے۔ جب کسی ادب پارے کا مفہوم کسی ادیب یا مترجم پہ پوری طرح واضح ہو تو اکتسابی زبان میں ترجمہ نسبتاً آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے بطورِ مثال رابندر ناتھ ٹیگور کی اپنی شاعری کی کتاب گیتا نجلی کا خود انہی کا انگریزی میں کیا گیا ترجمہ ہے جس پہ انھیں عالمی ادب کا سب سے بڑا انعام "نوبل پرائز" دیا گیا تھا۔

کوئی بھی ترجمہ کرنے کے لیے تین لوازم کا ہونا لازم ہے۔

۱۔ متن کی زبان ۲۔ ترجمے کی زبان ۳۔ مواد

ان تینوں عوامل کو اپنے ہنر اور فن کی اساس بناتے ہوئے ترجمہ کار سورس لینگویج کے متن (الفاظ، جملے، شاعری) کے پس پردہ نہاں معانی کی کائنات کی دریافت کرتا ہے اور انھیں ٹارگٹ لینگویج میں اُن کی اصل روح کے ساتھ یعنی پورے حسن و خوبی کے استعاروں کی رعنائی کے ساتھ ترجمہ کر دیتا ہے۔ اس عمل میں بظاہر الفاظ کی ہیئت کذائی وہ نہیں رہتی جو اصل زبان میں ہوتی ہے' لیکن ان کا مدعا و مفہوم تبدیل نہیں ہونے پاتا۔ بلکہ یہ سب جس ادبی التزام اور دلکشی سے سرانجام پائے گا ترجمہ اتنا ہی علمی، معیاری اور ادبی معیار کا حامل گردانا جائے گا۔

دُنیا بھر کے ادب میں ترجمے کے حوالے سے آج تک جتنا بھی کام ہوا ہے' ماہرین ترجمہ کاری اسے مجموعی طور پر دو خانوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ موضوعاتی ۲۔ ہیئتی یا فنی

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ اپنی تحقیقی تصنیف ''اردو ترجمے کی روایت'' میں اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

> ''جہاں تک ترجمے کی مختلف اقسام کا تعلق ہے ان میں
> حسب ذیل بنیادی حیثیت کی حامل ہیں:
> ۱۔ علمی ترجمہ ۲۔ ادبی ترجمہ ۳۔ صحافتی ترجمہ
> اسی طرح ترجمے کی تین راہیں ہیں:
> ۱۔ لفظی ترجمہ ۲۔ آزاد ترجمہ ۳۔ معتدل ترجمہ ۲۴

ترجمے کی یہ اقسام ایک تقسیم ہی ہیں' لیکن کسی فن پارے کے ترجمے کے

سامنے آنے پہ ہی اس کے ترجمے کی صورت حال کا صحیح ادراک کیا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کس نوعیت کا ہے؟ کس انداز سے کیا گیا ہے؟ اور اس کی حقیقی قدر و قیمت اور ادب میں اس کا کیا مقام بنتا ہے؟ نیز اس کی قسم کون سی ہے؟

ان اقسام کو سمجھنے کے لیے اور ان کی بہتر تفہیم کے لیے ان پہ وضاحتی خامہ فرسائی کی جاتی ہے۔

ترجمے کی اقسام (موضوعاتی زمرے کے لحاظ سے)

ا)۔ علمی ترجمہ

مختلف علوم اور فنون کے بارے میں کیے گئے علمی کام کو جب ترجمہ کر کے دوسری زبان کے قارئین کو پیش کیا جائے گا تو یہ ترجمہ علمی ترجمہ کہلائے گا۔ ان ترجموں کے پیچھے یہ محرک کارفرما ہوتا ہے کہ پہلی زبان میں موجود سائنسی اور فنی علوم کو دوسری زبان میں ترجمہ کر کے پیش کیا جائے تا کہ دوسری اقوام بھی اس سے اخذ و استفادہ کر سکیں اور ترقی کی دوڑ میں شریک ہو سکیں۔ یہ تراجم عموماً اس علم کے ماہرین ہی سرانجام دیتے ہیں یا پھر ایسے افراد بھی ترجمے کی یہ کاوشیں کر سکتے ہیں جو ان علوم کے بارے میں بخوبی جانتے ہوں۔ اس ترجمے کا بنیادی مقصد معلومات کی ایک زبان سے دوسری زبان میں ترسیل ہے۔ اس ترجمے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی زبان جس قدر صاف اور شفاف ہو گی' نیز جتنا ابہامات سے پاک ہو گی ترجمہ اتنا ہی اپنے علمی مقاصد کو پورا کرے گا۔ اس ترجمے کے لیے سب سے اہم ضرورت علمی اصطلاحات کا دوسری زبان میں مترادف تلاش کرنا ہے۔ یہ مترادفات جس قدر ایک دوسرے کے ہم معنی ہوں

Scanned by CamScanner

گے اُسی قدر اس ترجمے سے سیکھنے والوں کو سہولت رہے گی۔ علمی ترجمہ عموماً لفظ بہ لفظ ہوتا ہے اور اس میں ترجمے کی یکسانیت کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ البتہ بعض اوقات لفظ بہ لفظ ترجمے کی بجائے حقائق اور خیال کی ترسیل کا طریقہ بھی اپنایا جاتا ہے' تاکہ حقائق زیادہ واضح ہو کر سامنے آسکیں۔ قاری کو کسی قسم کے ابہام سے دوچار نہ ہونا پڑے اور ترجمہ کرنے کے مقاصد پورے ہوسکیں۔

۲)۔ ادبی ترجمہ

ہر دور کے ادیب اور شاعر اپنے اندر کے تخلیقی رجحان کے مطابق ادبی تخلیقات پیش کرتے ہیں جن میں ان کے عہد کے انسانوں کے جذبات، احساسات، مسائل اور اُن کی تسکین ولذت پورے ادبی حظ کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ ادبی تخلیقات میں آتے جاتے زمانوں کے اِنسانوں کے علمی، ادبی اور عصری شعور کی پوری کارفرمائی ہوتی ہے۔ جو ادب پارہ جتنا عصری شعور سے بے بہرہ ہوگا اُس کی علمی و ادبی اہمیت اتنی ہی کم ہوگی اور وہ وقت کی گرد میں جلد ہی ایسا دب جائے گا کہ ڈھونڈے سے بھی اس کا نشان نہ ملے گا۔

ادبی تراجم بامحاورہ کیے جاتے ہیں اور ان میں دونوں زبانوں کے محاورے، روزمرے، تشبیہات، استعارات، ضرب الامثال اور رمز و کنائے برتے جاتے ہیں۔ جتنا کوئی مترجم دونوں زبانوں پہ لسانی قدرت رکھتا ہوگا اُس کے تراجم اُسی قدر حسین اور ایک دوسرے کی حقیقی آئینہ داری کرتے ہونگے۔ ان تراجم کے ذریعے ادبی تحریکات، ادبی کروٹیں' نئے اسالیب بیان اور نت نئی اصناف سخن، ادب کی معاصر صورت حال کے تناظر میں ملکوں ملکوں پہنچتی ہیں اور لوگ ان کے ذریعے نہ صرف

دوسری زبانوں کے لوگوں کی تہذیب و تمدن، معاشرت، سیاست، اور ان کی قدرتِ زبان و بیان سے آگاہ ہوتے ہیں' بلکہ بعض اوقات یہ ادب پارے دوسرے ممالک کے ادب پہ گہرے اثرات رقم کرتے ہوئے اُن کی ادبی صورتِ حال میں بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ بھی ٹھہرتے ہیں۔

ادب چونکہ انسانی زندگی اور معاشرت کی عکاسی کرتا ہے اس لیے ادبی متن نہ محض خیال آرائی ہے اور نہ ہی کسی کا مخصوص اُسلوبِ نگارش ہوتا ہے۔ ہر عہد کے سیاسی، سماجی اور ادبی فن پاروں میں اس عہد کے شعور اور تہذیب کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔ ادبی تراجم ایک تہذیب یا قوم کی' دوسری تہذیب یا قوم تک ایسے فنکارانہ ابلاغ کی صورت گری ہوتے ہیں جس کے ذریعے تہذیبوں کی اُستواری اور قوموں کی فکری رُجحانات کی آبیاری بھی ہوتی ہے اور ان میں فکری تبدیلیاں بھی در آتی ہیں۔ ادبی تراجم جب تک ادبی رنگ میں نہ ہوں اور ان میں ادبیت کی چاشنی نہ ہو ان کا وجود برقرار نہیں رہتا۔ ان تراجم میں ایک زبان کا ذخیرۂ الفاظ، دوسری زبان کے ذخیرۂ ادب سے اَخذ و استفادہ کرتا اور ایک دوسرے کو علمی' ادبی تناظر میں مالا مال کرتا ہے۔ ادبی اصناف، ادبی تراجم کے ذریعے بعض اوقات دوسری قوموں کے ادب میں شامل ہوتی ہیں اور اپنی بہتر نمو کے سازگار ماحول میں عمدہ طور پر پوری طرح سے پنپ جاتی ہیں۔

صحافتی ترجمہ: (آزاد ترجمہ)

صحافتی متن کے ترجمے کو آزاد ترجمے کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ ترجمے کی اس قسم میں مفہوم کی ترسیل' اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ صحافتی ترجمہ چونکہ زیادہ تر

Scanned by CamScanner

اخبارات، رسائل اور میڈیا کے لیے ہوتا ہے اس لیے اس میں عام فہم الفاظ میں مطلب واضح کیا جاتا ہے۔ اس ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تخلیقی زبان کی بجائے عوام کی زبان برتی جاتی ہے۔ عوام کی سہولت کی خاطر الفاظ کی تبدیلی کر کے سادگی، سلاست، روانی اور بامحاورہ متن دیا جاتا ہے جس کی تفہیم میں کسی قسم کی کوئی مشکل یا رکاوٹ نہیں آتی ہے۔

اس ترجمے میں کسی لفظ کے لیے معنی، مترادف یا ترکیب کی تلاش کا عمل نہیں ہوتا' بلکہ زبان کی بجائے معنی پہ زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اس کا مترجم SL سورس لینگوئج کی زبان اور اسکے پیرائیہ اظہار پہ کامل عبور نہ رکھنے کے باوجود محض اپنی زبان پہ عبور رکھتے ہوئے مفہوم و مواد کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چونکہ وہ اس حوالے سے آزاد ہوتا ہے اس لیے اس ترجمے کو آزاد ترجمہ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ ترجمے کے دوران مترجم کو کسی بات کو حذف کرنے یا اس کی وضاحت کرنے کا بھی حق ہوتا ہے اس لیے اس ترجمے کو عام طور پر عوام میں قبولیت کی سند حاصل ہوتی ہے۔

ب) ترجمے کی اقسام (فنی زُمرے کے حوالے سے)

ان اقسام پہ بات کرنے سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ ترجمے کی یہ اقسام حقیقت میں ترجمے کے طریقے یا ترجمے کی راہیں ہیں۔ ان طریقوں میں سے کسی ایک کے مطابق ترجمہ کیا جاتا ہے۔ انہیں ہم ترجمہ کی راہیں اس لیے بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک راہ کے مطابق یا اس پہ چلتے ہوئے ہی ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ترجمے کے ان طریقوں کے بارے میں

بڑی صراحت سے بات کرتے ہوئے ترجمے کے انداز پہ بات کی ہے' وہ لکھتے ہیں:

"تحریری ترجموں کے تین طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ لفظوں کے آہنگ، مصنف کے لہجے، بیان کے تیور اور ابلاغ کو کوئی خاص اہمیت نہ دی جائے اور اصل متن کا صرف لفظی ترجمہ کر دیا جائے اور بس' اسے ترجمہ کرنا نہیں کہتے "مکھی پہ مکھی مارنا" کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ مفہوم لے کر آزادی کے ساتھ اپنی زبان کے روایتی و مقبول اندازِ بیان کی مدد سے ترجمہ کر دیا جائے۔ جہاں جی میں آیا حسبِ دل خواہ تبدیلی کر لی۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ترجمہ اس طور پر کیا جائے کہ اس میں اصل مصنف کے لہجے کی کھنک اور آہنگ بھی باقی رہے۔ اپنی زبان کا مزاج بھی بنیادی طور پر موجود رہے اور ترجمہ اصل متن کے مطابق بھی ہو۔ ترجمہ کی یہ شکل سب سے زیادہ مشکل ہے۔ ایسا ترجمہ جس میں مترجم نے مصنف کی اصل رُوح کو پا کر اپنی زبان کے مزاج میں نگینے کی طرح بٹھا دیا ہو ایک ایسا ہی گوہرِ نایاب ہے جیسے ادب کا کوئی شہ پارہ' جو کبھی کبھار وجود میں آ کر تہذیب کی ساری رُوح کا مظہر بن جاتا ہے۔" ۲۵

اس طویل اقتباس کو بغور دیکھا جائے تو ترجمہ نگاری کے بھی اُسلوبِ طریقے اور اقسام کے بارے میں معلومات اس ایک پیرا گراف میں سمیٹ لی گئی

Scanned by CamScanner

ہیں کہ پہلا طریقہ لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنا ہے۔ دوسرا طریقہ مصنف کا مفہوم لے کر اپنی زبان کے روایتی انداز بیان کے مطابق آزاد ترجمہ کرنا ہے' جب کہ تیسرے طریقے میں مصنف کے لہجے کی کھنک اور آہنگ بھی برقرار رہتا ہے۔ اور مصنف کی اصل رُوح دوسری زبان کے مزاج میں پوری طرح سے موجود دکھائی دیتی ہے۔ ترجمے کا یہ طریقہ تخلیقی ترجمہ کہلاتا ہے۔ جمیل جالبی نے تینوں طریقوں کی حقیقت اس طرح سے واضح کر دی ہے کہ کوئی ابہام باقی نہیں رہ جاتا ہے اور ترجمے کی تینوں راہوں کی کامل نشاندہی بھی ہو جاتی ہے۔

۱)- لفظی ترجمہ

لفظی ترجمہ کی وضاحت کرتے ہوئے اور اس کے اُسلوب وطریقہ کار کے بارے میں ڈاکٹر نگہت جمال رقم طراز ہیں:

> ''یہ ترجمہ نویسی کا ایسا طریقہ کار ہے جس میں مترجم' لفظ کے لیے لفظ، محاورے کے لیے محاورہ اور صفت کے لیے صفت کا استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کاوش کے دوران وہ اپنی زبان کے مزاج اور اصل متن کے اُسلوب و مواد میں سے کسی کو بھی قربان کر سکتا ہے۔ لیکن صرف ونحو اور لغت کے معاملے میں کہیں اپنے آپ کو ردوقبول کی اجازت نہیں دے گا۔'' ۲۶

ایک زبان میں ایک لفظ کے معانی کی وسعت یا تنگ دامانی کی نوعیت کیا ہے اور مترجم کا اپنا ذہنی وفکری احاطہ کس حد تک ہے؟ اِس سے اُس کے ترجمے کے

علمی جوہر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لفظی ترجمہ جسے ڈاکٹر جمیل جالبی نے مکھی پہ مکھی مارنا کہا ہے۔ اس سے کم از کم یہ اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے کہ لفظی ترجمہ بعض اوقات دوسری زبان میں منتقلی سے ترجمے کی اصل غرض و غایت کو پورا نہیں کر پاتا۔ اس نکتے کی وضاحت ڈاکٹر انیس ناگی کچھ اِس طرح سے فرماتے ہیں:

> ''لفظی ترجمے کی غایت اصل متن کو ہُو بہو دوسری زبان سے وفاداری کے ساتھ منتقل کرنا ہے۔ یہ ایک حد تک تو ممکن ہو سکتا ہے لیکن ایسی کاوش میں متن کا لحن معدوم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ لفظ کا معنی جملے کی تشکیل کے تابع ہوتا ہے۔ اس لیے لفظی ترجمے میں اس کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔'' ۲۷

اگر غور سے دیکھا جائے تو لفظوں کے آہنگ، مصنف کے لہجے، بیان کے تیور اور معنی کے ابلاغ کو نظر انداز کر کے فقط لفظ کے نیچے لفظ کا ترجمہ دے دیا جائے تو ایسا ترجمہ عام طور پر مضحکہ خیز ثابت ہوتا ہے۔ عبارت کا صوتی آہنگ اور جملے کا علمی و ادبی دروبست نہ ہونے کے باعث ایسا ترجمہ قاری کے علمی احساس کو متاثر کیے بغیر فقط اینٹوں پہ اینٹیں رکھنے یا مکھی پہ مکھی مارنے کے علاوہ اور کوئی تاثر نہیں دے سکتا ہے۔ سائنسی اور فنی علوم کے ترجموں کے لیے تو شاید یہ اندازِ ترجمہ کسی حد تک کارگر ہو سکتا ہے۔ لیکن ادبی تحریروں' بالخصوص نظموں' نثر پاروں اور ڈراموں میں ایسی ترجمہ نگاری کی صورت، ایک ایسی صورت حال سے دوچار کر دیتی ہے جہاں ترجمہ شدہ فن پارہ اپنا تمام تر فنی حسن کھو بیٹھتا ہے۔ چونکہ ترجمے کی اصل غائت قاری تک مصنف کے فکر اور خیال کی پوری حقیقی تصویر پیش

Scanned by CamScanner

کرنا ہوتا ہے' محض ایک زبان سے دوسری زبان میں متن کو منتقل کرنا نہیں ہوتا' اس باعث لفظی ترجمہ اپنی افادیت کے اعتبار سے ناکافی ہی نہیں' بلکہ ناکام کاوش بھی ٹھہرایا جاتا ہے۔

۲)- آزاد ترجمہ

آزاد ترجمہ سے مراد آزادانہ ترجمہ ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کا اندازہ متن سے مفہوم لے کر آزادی کے ساتھ اپنی زبان کے روایتی اور مقبول انداز بیان کی مدد سے ترجمہ کرنے سے کسی حد تک واضح ہوتا ہے؟ اس صورت حال کو سمجھنے میں ڈاکٹر نگہت جمال کا یہ بیان ہمارے سامنے بات کی پوری معنویت آشکار کرتا ہے ۔وہ لکھتی ہیں:

> "ترجمے کی اس قسم میں اصل متن کے لبادے یعنی زبان کی بجائے مفہوم پر دھیان دیا جاتا ہے۔ مترجم متن اوّل کی زبان اور پیرائیہ اظہار پہ مکمل عبور نہ بھی رکھتا ہو تو اپنی زبان پر عبور کے سہارے اصل مفہوم و مواد کو پیش کرنے کی آزادانہ کوشش کرتا ہے۔ اس عمل کے دوران وہ حذف و وضاحت کا طریقہ بھی استعمال کرسکتا ہے۔" ۲۸

یہ وضاحت آزاد ترجمے کی حقیقت اور ترجمے کی دُنیا میں اس کے مقام کے تعین میں مدد دیتی ہے۔ مترجم کی علمی حیثیت خواہ متن اوّل کی زبان اور پیرائیہ اظہار پہ مکمل عبور نہ بھی رکھتی ہو لیکن ترجمے کا آزادانہ انداز اس کو یہ آزادی دیتا ہے کہ وہ اپنی زبان پہ جس حیثیت کا بھی عبور رکھتا ہے اس کو برتتے ہوئے متن

اوّل کے مفہوم اور مواد کو پیش کرنے کی آزادانہ کوشش کرے۔ مشکل الفاظ، ثقیل عبارات، مبہم تراکیب اور مقفع، مسجع اُسلوب کا ترجمہ کرتے وقت وہ حذف اور وضاحت کو حسب ضرورت برتنے میں آزاد ہے۔ مشکل عبارت کا ملخص یا اپنی فہم کے مطابق اس کے مفہوم کو جس حد تک سمجھتے ہوئے وہ چاہے تو وضاحتی انداز میں ترجمہ کرسکتا ہے۔ متن اوّل کے مشکل الفاظ کو ترجمہ کرتے وقت لفظ بہ لفظ ترجمے کو مدنظر رکھنے کی بجائے مجموعی تاثر کے انداز میں پیراگراف کا ترجمہ کرنے کی اسے پوری آزادی ہے۔ ثقیل، مشکل اور مقفع الفاظ کا ترجمہ اس کی ترجمہ کاری میں رکاوٹ نہیں بن پاتا' بلکہ وہ اپنی سہولت کے ساتھ عبارت کا مجموعی مفہوم پیش کرتے ہوئے اپنے حصے کے ترجمے کا کام مکمل کرتا ہے۔ یوں دیکھا جائے تو آزاد ترجمہ، ترجمانی، تلخیص' اخذ و استفادے اور حذف و اضافے اور وضاحت سے عبارت ہوتا ہے۔

معتدل ترجمہ (تخلیقی ترجمہ)

ترجمے کا بنیادی مقصد جب بھی سوچا اور دیکھا جائے گا' تو یہی بات سب سے پہلے سامنے آئے گی کہ بنیادی متن کے ذریعے مصنف نے جو کچھ پیش کرنے کی ادیبانہ کوشش کی ہے اس کے مفہوم کی کامل ترسیل ہو جائے۔ اگر کسی فن پارے کا دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے اور مترجم اس کا پورا مفہوم TL ٹارگٹ لینگویج میں منتقل نہیں کر پایا تو ایسا ترجمہ ایک بے سود کاوش ہے جس کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے۔ ترجمہ میں تخلیق کی شان پوری طرح سے منعکس ہو اور مصنف کا پورا علمی شکوہ ترجمے میں بانکپن کی طرح عکس ریز ہو تو ایسا ترجمہ قبولیت کے بام پہ

پہنچتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ایسے ترجمے کے محاسن اور مترجم کی کاوش کو تخلیقی ترجمہ گردانتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ترجمہ اس طور پر کیا جائے کہ اس میں مصنف کے لہجے کی کھنک اور آہنگ بھی باقی رہے۔ اپنی زبان اور مزاج بھی بنیادی طور پر موجود رہے اور ترجمہ اصل متن کے مطابق بھی ہو۔ ترجمہ کی یہ شکل سب سے زیادہ مشکل ہے۔ ایسا ترجمہ جس میں مترجم نے مصنف کی اصل رُوح کو پا کر اپنی زبان کے مزاج میں نگینے کی طرح بٹھایا ہو ایک ایسا ہی گوہر نایاب ہے، جیسے ادب کا کوئی شہ پارہ، جو کبھی کبھار وجود میں آ کر کسی تہذیب کی ساری رُوح کا مظہر بن جاتا ہے۔ ایسے ترجموں سے زبان و بیان کو ایک فائدہ تو یہ پہنچتا ہے کہ زبان کے ہاتھ بیان کا ایک نیا ڈھنگ اور اُسلوب کا ایک نیا امکان آ جاتا ہے۔ دوسرے جملوں کی ساخت ایک نئی شکل اختیار کر کے اپنی زبان کے اظہار کے سانچوں کو وسیع تر کر دیتی ہے۔"

۲۹

یہ ترجمہ تخلیقی ترجمے کے نام کا حامل ہوتا ہے۔ اس میں مصنف کی رُوح اپنے پورے حُسن و جمال، حُسنِ بیان اور لفظی شان و شکوہ کی آئینہ داری کر رہی ہوتی ہے۔ مصنف کا طرزِ بیان، دوسری زبان کے مزاج میں اپنے پورے رچاؤ کے ساتھ یوں جھلکتا ہے کہ جیسے کوئی گوہرِ نایاب ہو۔ مصنف کا انداز اور مترجم کا ڈھنگ دونوں مل کر ایک ایسے اُسلوب کی شکل اختیار کر جاتے ہیں جس میں قوس

قزح کے ساتوں رنگ اپنے پورے حُسن اور دلربائی کے ساتھ ترجمے کے آسمان پہ اپنے بھی رنگوں کی رنگینی و رعنائی کے ساتھ بہار جاوداں کا سامان کر دیتے ہیں۔ اصل زبان کے سارے مفاہیم اور مطالب ترجمے کے ملبوس میں اُسی شان زیبائی کے ساتھ منعکس ہو جاتے ہیں۔ جس طرح کہ ایک حسینہ اپنے بلوریں بدن سے ایک لباس اُتار کر دوسرا لباس پہن کر جلوہ آرا ہوتی ہے اور اسکے عاشق اُس کے حُسنِ حقیقی سے اُس طرح شادکام ہوتے ہیں جس طرح پہلے لباس میں اُسے دیکھ کر لطف اندوزی کے جام پی رہے تھے۔ متنِ اوّل کے مدعا و معانی پوری طرح سے ترجمے میں جھلکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ قاری دونوں زبانوں سے جس قدر گہرا آشنا ہوگا۔ اُسی قدر اُس کی لذت افروزی کا سامان ترجمے میں موجود ہوگا۔ حقیقت میں یہ ترجمہ ایسا ترجمہ ہوتا ہے جو ہمیں مصنف کے متن کی رُوح سے بھی آشنا کر دیتا ہے اور تخلیق کی پوری فضا کو بھی ترجمے میں منتقل کر دیتا ہے یوں قاری اس ترجمے کو تخلیق سمجھ کر پڑھتے ہوئے اصل (زبان اول) سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

ترجمے کے مقاصد

کسی بھی ترجمے کے پس منظر میں کچھ محرکات لازمی ہوتے ہیں۔اس کے ترجمے کی کیا ضرورت تھی؟ مترجم ترجمہ کیوں کرنا چاہتا ہے؟اس ترجمے سے کیا حاصل ہوگا؟جس مقصد کے لیے ترجمہ کیا گیا ہے' کیا وہ مقصد حاصل ہوا ہے یا نہیں؟خیالات کی ترویج اور نظریات کی تشکیل میں اس ترجمے کا کیا مقام بنتا ہے؟ بنیادی طور پر یہ تمام سوالات ترجمے کے مقاصد سے متعلق ہیں' جو ہمیں یہ سوچنے کی طرف راغب کرتے ہیں کہ آخر ترجمے کے کیا مقاصد ہوتے ہیں؟پروفیسر محمد حسن اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

"بنیادی طور پر کسی ترجمے کے تین مقاصد ہیں' پہلا معلوماتی' دوسرا تہذیبی' تیسرا اجمالیاتی۔" ۳۰

مقصدِ اوّل' معلوماتی

مترجم ترجمے کے ذریعے زبانِ اول سے زبانِ دوئم تک کے لیے جو کاوش کرتا ہے اس کا بنیادی مقصد ترجمے کی زبان کے قارئین کو زبانِ اول کے تخلیقی فن پارے کے ذریعے علمی و ادبی معلومات بہم پہنچانا ہوتا ہے۔پروفیسر محمد حسن کے مطابق:

"مترجم کا بنیادی مقصد نئی زبان کی وساطت سے معلومات کی ترسیل ہے۔یہاں ترجمہ جتنا اصل سے قریب ہو گا' معلومات کی ترسیل کا حق اتنا ہی بہتر طور پر ادا ہو سکے گا۔

اس ضمن میں سائنسی علوم کے تراجم آئیں گے۔ یہاں ترجمے
کی کامیابی اس پر منحصر ہوگی کہ کتنے شفاف طور پر اصل
معلومات، ترجمے کے ذریعے دوسری لسانی برادری کے سامنے
آئیں۔" ۳۱

قارئین تک معلومات فراہم کرتے وقت مترجم جس قدر قارئین کی سہولت، آسانی اور ان تک اصل متن اور زبان کی معلومات کی ترسیل کا مقصد پیش نظر رکھے گا۔ معلومات کی ترسیل اتنی ہی آسانی سے اور بہتر انداز میں قارئین تک پہنچیں گی اور وہ اس سے زیادہ بہتر انداز میں استفادہ کر پائیں گے۔ استفادے کا دائرہ جس قدر وسیع ہوگا۔ یہ مقصد اسی قدر پورا ہوتے ہوئے ترجمے کی اہمیت اور ادب میں اس کی حیثیت و مقام کے تعین میں ممد و معاون ہوگا۔

مقصد دوئم......تہذیبی

دُنیا کے ہر خطے اور علاقے میں بسنے والے انسان دوسرے خطوں اور علاقوں کے انسانوں سے الگ زبان بولتے ہیں۔ یہ زبانیں دوسرے خطوں کے لوگوں کے لیے قابل فہم نہیں ہوتیں۔ اس لیے ترجمے انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتے ہیں۔ ترجمہ ایک زبان کے دوسری زبان میں سفر کرنے کا نام ہے۔ ایک زبان جب دوسری زبان میں مسافت طے کرتی ہے تو اس کی لسانی اور تہذیبی دُشواریاں بہت قابل توجہ ہوں گی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق:

"ترجمے کے ذریعے ایک زبان کی تہذیب دوسری
زبان کی تہذیب کے ساتھ مل کر نئے نئے گُل کھلا سکتی ہے۔

فارسی اور عربی زبان اور خصوصاً فارسی زبان کے اسالیب نظم و نثر نے ہماری زبان، اس کے اسالیب اور خود ہمارے طرزِ احساس کو متعین کرنے میں کتنا اہم کردار ادا کیا ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر کسی بحث کی ضرورت ہے۔" ۳۲

تہذیب' انسانی فکر کے صدیوں کے ارتقاء کا نام ہے۔ایک خطے کا طرزِ زندگی، بود و باش، رسم و رواج، کھیلوں، میلے ٹھیلوں، عقیدوں و عقیدتوں اور علمی فکری ترقیوں کا دوسرا نام تہذیب ہے۔عربی اور فارسی زبان نے ہماری زبان کی ساخت اور ہیئت سازی پہ جس طرح سے اپنا کردار ادا کیا ہے وہ ان زبانوں کے ماہرین بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں' لیکن فارسی ادب نے ہماری زبان اُردو کی تہذیبی پرداخت میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ پروفیسر محمد حسن اس تناظر میں ترجمے کے مقاصد میں تہذیبی عناصر پہ یوں رقم طراز ہیں:

"مترجم کا کام ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا نہیں ہے' ایک تہذیبی معنویت کو دوسری تہذیبی معنویت میں ڈھالنا ہے۔ تہذیب اقدار کو جنم دیتی ہے اور اقدار سے بنتی اور سنورتی ہے اور انھیں کے بل بوتے پر پوری لسانی آبادی کا ردِعمل متعین ہوتا ہے۔ ممکن ہے ایک تہذیب میں ایک مخصوص لفظ تصورات کا آئینہ خانہ ہو' لیکن وہی تصور جب دوسری زبان میں ادا ہو تو دوسرے تہذیبی سیاق وسباق میں مہمل یا بے معنی ہو جائے' اس طرح ترجمہ تصورات کی تہذیبی آباد کاری ہے۔" ۳۳

اس مقصد پہ جب بہ نظرِ عمیق دیکھا جائے تو یہ بات صحیح ترین لگتی ہے کہ تہذیبیں ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کے ذریعے منتقل ہوتی ہیں نیز انسانوں کی شخصی، معاشروں کی عمومی اور خصوصی نشو ونما میں اپنے حصے کا بہترین کردار ادا کرتی ہیں۔ تہذیبوں ہی کی بدولت معاشروں میں ہر سُو اچھی بُری اقدار پروان چڑھتی ہیں۔ ادب کی تخلیقات اور تراجم اس سلسلے میں اپنے حصے کا کردار ادا کرتے ہوئے تہذیبی اقدار کی بھرپور معاونت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر تحسین فراقی اس تناظر میں لکھتے ہیں:

> ''ترجمہ ہر دو زبانوں، بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ دو تہذیبوں کے درمیان پُل کا کام دیتا ہے۔ مترجم کی حیثیت ایک بالغ نظر اور ہم درد سفارت کار کی ہوتی ہے۔ ایسی سفارت جو تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے ''اور لو'''' اور دو'' کے اُصول پہ قائم ہوتی ہے۔'' ۳۴

مترجم دو تہذیبوں کے درمیان ایک پُل یا سفارت کار کی حیثیت سے جتنا اپنے مقام سے حقیقی آشنا ہوگا، اُسی قدر اپنے تہذیبی منصب کو زیادہ بہتر سطح پہ سر انجام دے سکے گا۔ اس کی یہ کوشش جہاں ایک طرف اس کی خدمات پہ اس کے منصب کے تقاضے بہ احسن پورے کرے گی۔ اسی طرح دوسری طرف ترجمے کے تہذیبی مقاصد کو اپنے جلو میں لیے ہوئے نئی اقدار کی نشو ونما میں اپنی ذمہ داری پوری کرے گی۔ یوں دو تہذیبیں جہاں باہمی ملاپ سے اپنی تکمیل کریں گی وہیں ایسی اقدار کی نشو ونما بھی ہوگی جو ان کے باہم ملاپ سے معرضِ وجود میں آئیں گی۔

Scanned by CamScanner

مقصد سوئم...... جمالیاتی

ترجمے کا تیسرا بڑا مقصد جمالیاتی ہے۔انسانی ذوق وحظ اور تسکین کے اس بڑے مقصد سے ادب میں حُسن، دلبری، دلربائی اور رعنائی کی تشکیل ہوتی ہے۔ جمالیاتی سطح پہ جس قدر حُسن کا اہتمام والتزام ہوا تنا ہی ادب بھی انشراحِ صدر اور دل بستگی کا ساماں لیے ایک تہذیب سے دوسری تہذیب تک اپنے سفر کو کامیابی سے طے کرے گا۔اس مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر محمد حسن لکھتے ہیں

> "جمالیاتی انبساط خود نہایت پیچیدہ عمل ہے۔دوسرے یہ عمل الفاظ کے معنوں کی بجائے ان کے متنوع متعلقات کے ذریعے ادا ہوتا ہے۔الفاظ صرف معلومات یا محض تصورات پیش نہیں کرتے' بلکہ ایک خاص فضا اور کیفیت چھوڑ جاتے ہیں۔جن میں معلومات کی ترسیل، طنز، تضاد، محاورہ، علامتی اظہار، کنائیہ کیفیت سبھی شامل ہیں۔ایک زبان کے ایک ہمہ جہت لفظ کو دوسری زبان اور تہذیب کے سیاق وسباق میں بٹھانا مشکل ہوتا ہے' اس لیے شاعری کا ترجمہ سب سے زیادہ دشوار ہے۔" ۳۵

لفظ جمال حُسن کے معنوں کی آئینہ داری کرتا ہے۔کائنات کی ہر چیز میں حُسن کی صفت کسی نہ کسی انداز میں جلوہ گر ہوتی ہے۔حسین آنکھ ہی حُسن کے جلووں کو دیکھ سکتی ہے اور حُسن کا حظ بافراط اُٹھا سکتی ہے۔بے شک ایک حد تک یہ بات بڑے رمز بھرے معانی کی حامل ہے کہ حُسن تو دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا

انسانوں کی کاوشیں علوم وفنون، ادبیات اور فکری روایات کو آگے بڑھانے میں اپنا کردار ادا کرتی رہیں گی۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ اس تناظر میں رقم طراز ہیں:

"ترجمے کے ذریعے زبان کئی اعتبار سے پھلتی پھولتی ہے۔ ترجمہ جہاں الفاظ اور زبان کی نشوونما کے ذریعے اِنسانی علوم میں اضافے کا باعث بنتا ہے وہیں ذہنی سرحدوں کو بھی کشادگی بخشتا ہے۔ زبان کی سطح پر ترجمہ، خیالات وجذبات کی ہر ہر کروٹ کو سمونے کی خاطر نت نئے اسالیب بیان سے متعارف کراتا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت جہاں نئے الفاظ استعاروں کے رُوپ میں جنم لیتے ہیں، وہیں پرانے اور برتے ہوئے الفاظ کو آکسیجن مہیا ہوتی ہے۔ نت نئے محاورے اور نئے محاکات کے جنم کے ساتھ نئے علوم وفنون سے آشنائی ہوتی ہے۔ ہمیشہ نئی اصناف ادب کا وُرود، ترجمے کے ذریعے ہی ممکن ہو سکا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ آج اُردو زبان جس منصب پہ فائز دکھائی دیتی ہے اس میں بہت کچھ ترجمے کا بھی کیا دھرا ہے۔" ۳۶

مترجم دونوں زبانوں کے علوم وفنون اور معارف سے آگہی کے باعث اس کے لفظوں کی حقیقت، ماہیت، ان کے معانی، ان کے برمحل استعمال اور ان کے برتاؤ کی وسعت کو جاننے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہوتا ہے کہ زبان کی نشوونما میں الفاظ کی کیا اہمیت ہے اور ان کے معانی کی وسعت کے باعث علوم میں کس قدر کشادگی آجاتی ہے؟ اسی باعث وہ دو زبانوں کے درمیان

تہذیبی ہم آہنگی کی راہوں کا متلاشی ہو کر ترجمے کا انداز اپناتا ہے۔ اس کی علمی صلاحیتوں کے باعث نئے محاورے اور نئے محاکات جنم لیتے ہیں۔ جو زبان و ادب میں وسعت کا باعث بنتے ہیں۔ یوں دیکھا جائے تو جہاں دو زبانوں کے خیالات' تصورات، محاکات اور تشبیہات و استعارات کامل یکجائی اختیار کرتے ہوئے ایک دوسرے کے علوم و معارف کو ایک تہذیب سے دوسری تہذیب کے دامن میں پورے حسنِ معانی کے ساتھ منتقل کرتے ہیں تو ترجمے کا جواز از خود پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ترجمہ نہ ہو تو زبان کی نشو و نما کا عمل ایک خاص حد تک جا کر رُک جاتا ہے۔ ترجمہ زبانوں کو کشادگی اور وسعتِ خیال عطا کرتا ہے۔ ترجمے ہی کی بدولت ایک زبان کے علوم و فنون' دوسری زبان میں منتقل ہو کر نہ صرف علمی و عملی آگہی کے نئے جہانوں کی تعمیر کرتے ہیں' بلکہ اِنسانی افکار کی مسلسل ترقی کا باعث بھی بنتے ہیں۔ ترجمے ہی کے باعث ایک خطے کے لوگوں کے نہ صرف تہذیب و تمدن، رسومات و اعتقادات اور خیالات سے دوسرے خطے کے لوگ آگاہی پاتے ہیں بلکہ ان کو اپنی بُود و باش میں شامل کر کے ایک دوسرے کے بالکل قریب بھی آ جاتے اور ایک دوسرے میں گھل مل جانے کا بھی انھیں موقع مل جاتا ہے۔ اِسی باعث ان کی تہذیبی اِرتقاء کی منازل بڑی سُرعت سے طے ہوتی ہیں۔ تراجم کے باعث ایک علاقے کی زبان کا علمی و ادبی سرمایہ دوسری زبان کے بولنے والوں تک پورے علمی وقار کے ساتھ منتقل ہوتا ہے۔ ایک علاقے کے لوگ' دوسرے خطے کے لوگوں کے علمی، فنی، سائنسی اور ادبی تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے ترقی کی منازل میں ان کے ہمراہ گامزن ہو جاتے ہیں۔ تراجم ہی کے باعث اقوام میں باہمی افہام و تفہیم کی راہیں کھلتی ہیں۔ آپس کے روابط میں

مزید استحکام آتا ہے۔ جس کے باعث ایک دوسرے کے تمدن کی شناخت اور بازیافت کے ذریعے اقوامِ عالم میں لین دین کے رابطے مزید وسعت اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔

ترجمے کی راہ میں حائل رکاوٹیں

ترجمے کی اہمیت اور افادیت کے باعث ترقی یافتہ اقوام، دوسری اقوام کے علوم وفنون کو اپنے لوگوں کے لیے تراجم کے ذریعے رسائی دیتی ہیں۔ ترجمہ کے باعث ان کے ہاں علوم وفنون میں پیش رفت اور ان سے استفادے کی راہیں اس قدر آسان ہو جاتی ہیں کہ قومی ترقی کی رفتار دیگر اقوام کے مقابلے میں تیز تر ہو جاتی ہے۔ اقوام کے علم وادب میں اسی باعث عصری شعور اور سماجی ہم آہنگی کا عنصر بڑا نمایاں ہوتا چلا جاتا ہے اور اقوام عالم کے علم وادب سے اخذ کردہ اسالیب ان کی تمدنی و معاشرتی زندگیوں کو جمالیاتی آبیاری عطا کرتے چلے جاتے ہیں۔

ترجمہ کاری کا عمل بڑی نزاکت ولطافت کا تقاضا رکھتا ہے۔ اصل متن کے علمی شعور اور اس زبان کے جُملہ پنہائیوں کا مکمل ادراک' ترجمہ کاری کا زینہ اوّل ہے۔ کسی زبان کے الفاظ کے پس منظر میں نہاں حقیقی، لغوی، معنوی اور اصطلاحی مفاہیم اور ان کے اندر وارد ہونے والے حیاتیاتی تجربات کی تہہ داریوں کا کامل شعور' ترجمہ کاری کے لیے نہایت ضروری امر ہے۔ نزاکت لفظی سے شکوہ زبان تک اس کے برتاؤ اور جملوں میں اس کی حقیقی حیثیت کے کامل ادراک کے بغیر ترجمہ کاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ متن اوّل کے مصنف کے کلام کی حقیقی روح کو اپنے علمی شعور میں جذب کر کے اسے دوسری زبان کے ملبوس میں اس طرح پیش کرنا کہ کہیں بھی اس کے کلام کی جمالیاتی اور معنیاتی سطح مجروح نہ ہو

'اس سے ترجمہ کاری کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا بظاہر محسوس کیا جاتا یا نظر آتا ہے۔ یہ ایک مشکل ترین فن ہے' جو آدھے پونے کے بجائے پُورے عالم اور بھر پور ترجمہ کے لیے کامل ریاضت کا متقاضی ہے۔ یہ محض دو زبانوں کے لفظوں کا ایک دوسرے کے لباس پہن کر پیش ہو جانے کا نام نہیں ہے' ہر زبان کے لفظ دوسری زبان کے لیے نامانوس ہوتے ہیں۔ ان کا لب ولہجہ مختلف اور عجیب ہوتا ہے۔ ان کا اپنی زبان کے سانچے میں اپنا مخصوص پیکر ہوتا ہے۔ جملوں میں ان کی حقیقی ترتیب اور ساخت کا اپنا انفرادی انداز ہوتا ہے۔ اس سب کو کسی اورِ زبان کے حقیقی مزاج میں تبدیل کرنا اور اسکے لہجے سے ہم آمیز کرنا ایک تہذیبی تشکیل ہے۔ لفظوں کو ان کی اصل زبان کے ملبوس سے برآمد کر کے ایک نئی دوسری زبان کے الفاظ کا جامہ پہنانے کے عمل میں بعض اوقات ہی کیا' بلکہ اکثر اوقات ان کے مسخ ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور کبھی کبھار تو نہایت مضحکہ خیز صورت حال بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اِسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ ترجمہ کاری نہایت دُشوار کام ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس ضمن میں یوں رقم طراز ہیں۔

مصنف کے لہجے کی کھنک اس کا آہنگ اور اپنی زبان کا مزاج بنیادی طور پر اس عمل میں موجود رہنا ہی ترجمہ کاری کا امتیاز ہے:

"ایسا ترجمہ جس میں مترجم نے مصنف کی اصل رُوح کو پا کر اپنی زبان میں مزاج کے نگینے کی طرح بٹھا دیا ہو' ایک ایسا ہی گوہر نایاب ہے جیسے ادب کا کوئی شہ پارہ' جو کبھی کبھی وجود ہے آ کر کسی تہذیب کی ساری رُوح کا مظہر بن جاتا ہے۔"۳۷

Scanned by CamScanner

اصل مصنف کے مزاج، لب و لہجے، علمی و عصری شعور اور اس کے طرزِ احساس کو پوری طرح برقرار رکھتے ہوئے بھرپور سلامتی کے ساتھ اس طرح سے ترجمہ کرنا کہ دوسری زبان میں اصل متن اپنی حقیقی لو دینے لگے اور قارئین کو ایک پل کے لیے بھی یہ احساس نہ ہو کہ وہ اصل متن کی قرأت کر رہے ہیں یا ترجمہ خوانی کے عمل سے گذر رہے ہیں۔ یہ ہے اصل ترجمہ کاری اور یہ واقعی ایک ایسا مشکل اور پیچیدہ عمل ہے جہاں قدم قدم پہ مترجم کو مصنف کا ہاتھ پوری علمی دیانت اور اپنی زبان کی مہارت کے ساتھ تھامے رکھنے کی ضرورت ہے۔ کبھی کبھی کسی ایک لفظ، ایک شعر یا ایک جملے اور اس میں پنہاں تجربے کو دوسری زبان میں منتقل کرنا اتنا بڑا معرکہ ہو جاتا ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی یا کم علمی کا لمحہ آیا تو اصل زبان کا حقیقی حُسن اور اثر پذیری دم توڑ دیتی ہے اور ترجمے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر انیس ناگی کے مطابق:

> ”ترجمہ کرنے کے لیے ترجمے کی تھیوری کی موجودگی اور ٹارگٹ ہونا ضروری ہے، کیونکہ یہی دو چیزیں ترجمہ کی قسمت کا فیصلہ کرتی ہیں۔ چنانچہ یہ تصور کہ ترجمے کا مقصد صرف ایک زبان سے دوسری زبان میں متن کو منتقل کرنا ہے، دُرست نہیں ہے۔ اس قسم کا ترجمہ ہمیں اخباروں کی خبروں یا جاسوسی ناولوں یا سستی رومانوی تحریروں میں ملتا ہے، جہاں ترجمہ کی غرض و غایت اطلاع دینا یا معلومات فراہم کرنا ہوتا ہے۔ ایسے تراجم کسی اُسلوب کے حامل نہیں ہوتے۔“ ۳۸

یہ بات حقیقت پہ مبنی ہے کہ ترجمے کا مقصد کسی متن کا ایک زبان سے محض دوسری زبان میں منتقل کرنا نہیں ہے۔ اگر متن میں مصنف کی اصل رُوح موجود نہیں ہے، اس کی تحریر کا حقیقی آہنگ موجود نہیں ہے اور اس کی زبان کا بنیادی مزاج موجود نہیں ہے تو یہ ترجمہ محض ایک بے کار کاوش ہی ہو سکتا ہے۔ ایسے تراجم کی بدولت ہی ترجمہ نگاری کا فن نیک نامی کمانے سے محروم ہے۔ شاید اسی باعث ایڈورڈ فٹز جیرالڈ نے فنِ ترجمہ پہ اپنی رائے دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ:

"زندہ کتا مُردہ شیر سے بہتر ہے۔" ۳۹

ترجمے کے لیے دو تھیوریز وضع کی گئی ہیں۔ پہلی تھیوری لغوی ترجمے کی ہے اور دوسری تھیوری آزاد ترجمے کی ہے۔ ان دونوں تھیوریز اور ترجمے کی اقسام میں واضح فرق ہے۔ لغوی ترجمے کی تھیوری کے بارے میں ڈاکٹر انیس ناگی رقم طراز ہیں:

"پہلی تھیوری لغوی ترجمے کی ہے، جسے عرفِ عام میں لفظ بہ لفظ ترجمہ کہا جاتا ہے۔ لفظ کے لغوی معنی کی کئی ایک تشریحیں کی گئی ہیں۔ اس کی ایک متفقہ تشریح لفظ کے اساسی معنی ہیں، جو لغت میں موجود ہوتا ہے۔ یہ معنی عام طور پر مفرد ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا رویہ کارفرما نہیں ہوتا۔ اسے لفظ کے default کے معنی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ وٹگنسٹن کہتا ہے کہ لفظ کے معنی استعمال کے ذریعے متعین ہوتے ہیں۔ منطقیوں کے نزدیک لفظ کی دو حیثیتیں ہیں، ایک connatation (لفظ کا اساسی معنی ہے) جبکہ

اس کی تضمین ہے۔ اس اساسی معنی کے denotation
لیے برٹینڈرسل object word کی ترکیب استعمال
کرتا ہے۔ لفظ کی صورت اس سے منسوب شے کی یاد دلاتی
ہے۔ چنانچہ لفظی ترجمے میں لفظ کی لغوی دلالت کو پیش نظر رکھا
جاتا ہے۔ لفظی ترجمے کی غایت اصل متن کو ہُو بہو دوسری
زبان سے وفاداری کے ساتھ منتقل کرنا ہے' یہ ایک حد تک تو
ممکن ہوسکتا ہے۔ لیکن ایسی کاوش میں اصل متن کا لحن معدوم
ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ لفظ کا معنی جملے
کی تشکیل کے تابع ہوتا ہے۔ اس کے لفظی ترجمے میں بھی اس
کی انفرادی حیثیت ثانوی ہوجاتی ہے۔'' ۴۰

اس تھیوری پہ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ہم پہ یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ لفظی ترجمہ' لفظ کے باطن میں اُتر کر اس کی حقیقت اور معنویت کے اظہار کی بجائے محض اس کے لغت میں موجود معنی کا مظہر ہوتا ہے۔ اس صورت میں تو محض لفظ کا معنی' شعر یا جملے کی معنویت کے اِظہار سے قاصر رہے گا۔ بلکہ بعض اوقات تو مضحکہ خیز صورتِ حال کی بھی غمازی ہونے لگے گی۔ علمی اور تحقیقی تحریروں میں تو چلیں ایک حد تک لفظی ترجمے سے ضرورت پوری ہوجائے گی' مگر تخلیقی ترجمے میں تو صورتِ حال اکثر اس قدر مسخ ہوجاتی ہے کہ دیکھی بھالی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی والا معاملہ ہوجاتا ہے۔ ادبی فن پاروں اور شعروں میں جمالیاتی سطح پر لفظوں کا استعمال مصنف کے تخلیقی تجربے کا مظہر ہوتا ہے۔ لفظ اپنے باطنی معنوں میں تشبیہات' استعارات، کنایات اور رمزوں کے ذریعے ایسے ایسے بلیغ معانی کے

حامل ہوتے ہیں کہ دھڑکنیں ان کے ساتھ رقص کناں ہو جاتی ہیں۔ لفظوں کی زیریں سطح پہ جذبے اپنا پورا اظہار کر کے تہذیبی سطح پہ ایک زندہ زبان کے پورے مظہر بن کے ہمیشہ کی زندگی پا جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم لفظی ترجمے کے ذریعے اصل متن کا شاید ایک حد تک ہُو بہو لسانی سٹرکچر تو تعمیر کر لیں، لیکن اس سب کے ذریعے ہم تخلیقی ترجمے تک کبھی نہیں پہنچ پائیں گے۔

ترجمے کی دوسری تھیوری آزاد ترجمے کی تھیوری ہے، جیسا کہ ہمیں علم ہے کہ آزاد ترجمے میں اصل متن کے لبادے یعنی زبان کی بجائے مفہوم زیادہ قابلِ التفات ہوتا ہے۔ ترجمہ کار کا متنِ اوّل کی زبان اور پیرائیہ اظہار پہ خواہ مکمل عبور نہ بھی ہو تو وہ اپنی زبان کے مبلغ علمی آگہی کے سہارے پہ متنِ اوّل کے مفہوم اور مواد کو ترجمہ کرنے کی آزادانہ کوشش میں خودمختار ہوتا ہے۔ اس اپنی ترجمہ کاری کی کوشش میں وہ حذف اور وضاحت دونوں کا حسبِ ضرورت استعمال کر کے سُرخرو ہو جاتا ہے۔ یوں ترجمہ کئی بار ترجمانی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر انیس ناگی ایک مثال کے ذریعے اس دوسری تھیوری کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہ مثال بودلیئر کی ایک نظم **Exotic perfume** کے میرا جی کے ترجمے کے تناظر میں ہے، جو انھوں نے اپنی کتاب تشکیلات میں اصل متن اور اس کے ترجمے کو بالمقابل پیش کر کے بیان کی ہے، وہ رقم طراز ہیں:

> "ترجمے کی دوسری تھیوری آزاد ترجمہ ہے، جو اصل متن کا حُلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال میرا جی کا چارلس بودلیئر کی نظم کا ترجمہ ہے۔ میرا جی فرانسیسی زبان سے آشنا نہیں تھے اس لیے انھوں نے یہ ترجمہ انگریزی زبان سے کیا

ہے۔اور یہ بھی نہیں بتایا کہ انھوں نے کس مترجم کے ترجمہ کو پیش نظر رکھا ہے۔بودلیئر کی یہ نظم گیارہ مصرعوں پہ مشتمل ہے۔ میرا جی نے اکیس مصرعوں میں اس کا مفہوم ترجمہ کیا ہے۔میرا جی کا یہ ترجمہ انگریزی ترجمے سے سراسر انحراف ہے۔انھوں نے جہاں چاہا مصرعوں میں اضافہ کر دیا ہے۔وہ بہت سے مصرعوں کا مفہوم اور اُن کی رُوح سمجھنے سے قاصر رہے۔ انھوں نے بودلیئر کی نظم سے متاثر ہو کر اس سے ملتی جلتی نظم لکھ ڈالی۔جس میں مصرعوں کی ساخت بھدی ہے۔یہ دیکھ کے تعجب ہوتا ہے کہ میرا جی نے ہُنر مندی کا مظاہرہ نہیں کیا۔۔۔ میرا جی کا یہ ترجمہ نہ لفظی ہے اور نہ باز آفرینی کی مد میں آتا ہے۔یہ ایک اعتبار سے آزاد ترجمہ ہے' جو تاثر سے تہی ہے اور بودلیئر جیسے نازک مزاج اور صاحب اُسلوب شاعر کو نیچا دکھانے کے مترادف ہے۔'' ۴۱

مندرجہ بالا مثال ہمیں آزاد ترجمے کی تھیوری کی علمی و عملی صورت حال سے آگاہ کرتی ہے۔کہ اس میں ترجمہ کار' متنِ اول کے ساتھ کیسا علمی رویہ رکھتا ہے؟ اور ترجمہ کرتے وقت اس کی علمی حیثیت اور بے ہنری سے کیسے اور کتنے عظیم فن پارے کی علمی موت واقع ہو جاتی ہے۔لیکن ترجمے کے قارئین شاید اصل متن کی عدم دستیابی کی وجہ سے اس سارے سانحے سے لاعلم اور بہت حد تک لاتعلق بھی رہتے ہیں۔اصل متن جس علمی، تہذیبی اور فکری پس منظر میں رقم کیا گیا ہوتا ہے' ترجمہ میں اُس کی روح کا پورے طرزِ احساس کے ساتھ موجود ہونا ضروری

ہوتا ہے۔زبان اپنے عہد کے کلچر کی پوری ترجمانی کرتی ہے۔اس کے لفظوں کے معنی اس کلچر کی وساطت سے سامنے آتے ہیں۔ایک مترجم کے لیے اس متن کے کلچرل منظر نامے سے پوری آگہی لازمی ہے۔اس کے بغیر وہ اصل متن کے اضافی معنی اور ان کی وسعت کی کما حقہ حدود سے انصاف نہیں کر سکتا۔یقیناً اس طرح حقیقی ترجمہ نگاری وجود میں نہیں آسکتی ہے۔

یہ دونوں تھیوریز ترجمے کی مشکلات کو جس شرح وبسط سے بیان کرتی ہیں اس سے ہم پہ یہ حقیقت کھلتی ہے کہ ترجمہ نگاری کس سطح کی علمی وعملی، محنت ومشقت کا کام ہے۔میرے نزدیک ترجمہ نگاری ایک کارِ عظیم ہے، جو فنی اور فکری اعتبار سے دونوں زبانوں کے تہذیبی، ثقافتی، علمی اور ادبی عالم میں سرانجام دے سکتے ہیں۔غیر عالم یا دیگر لوگ یہ کام سرانجام نہ دیں تو یہ بھی ادب کی خدمت ہے۔اور موجودہ بہت سے ادبی تراجم کا تنقیدی مطالعہ بتاتا ہے کہ ادب کی یہ ترجمانی تابندگی نہیں شرمندگی ہے

Scanned by CamScanner

مترجم کی اہلیت

عام انسانی زندگی روزمرہ کی بول چال سے عبارت ہے۔ عام بول چال میں دوسرے فرد تک اپنی ضروریات اور خیالات کا اظہار کرنے کو ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ اس تناظر میں ناخواندہ اور تعلیم یافتہ دونوں برابر ہیں۔ ترجمہ نگاری ایک فن ہے اور اس کی بنیادی ضرورت اس استعداد کا حامل ہونا ہے کہ دونوں زبانوں کے الفاظ، ان کے مترادفات اور ان کے معانی سے کامل آگہی ہو اور پھر اس سب سے بالاً ان کے صحیح استعمال پہ فنکارانہ چابکدستی حاصل ہو۔ اس ضمن میں مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

> ''ترجمہ خواہ ادبی ہو یا علمی، صحافتی اس میں ضرورت ایک ہی قسم کی استعداد کی ہے، یعنی حقیقی مناسبت کی تلاش اور وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان میں غیر معمولی اور تیر بہدف فہم و فراست ہو، جو کسی بات کے مالۂ و ماعلیہ کو فوراً بھانپ لے۔ مفہوم کی سوفی صد تشخیص اور تعین کرے اور پھر اسے ویسے ہی برجستہ اور برمحل الفاظ، اسلوب میں ادا کرے۔
> '' ۴۲

یہ صلاحیت ایک غیر معمولی فہم و ذکا کی طالب ہے۔ اس میں محض کسی لفظ کے دوسری زبان میں متبادل لفظ کے چناؤ اور پھر اسے اپنے زبان میں ادا کر دینے سے مقصد حل نہیں ہوتا' بلکہ دونوں زبانوں، جو حقیقت میں دو تہذیبوں کی

عکاسی کرتی ہیں اور دو مختلف علاقوں، خطوں اور علمی ادبی منطقوں کی حامل ہوتی ہیں، پہ کامل عبور کی متقاضی ہوتی ہیں۔ جب تک کوئی شخص زبان کے اُسلوبیاتی نظام اور زبان کی نزاکتوں پہ مسلسل غور وفکر نہیں کرتا، اپنے مافی الضمیر اور اپنے افکار کو ہم معنی، مشابہ، مماثل اور مترادف الفاظ کی مدد سے مختلف پیرائیہ اظہار سے پیش کرنے کی کاوش نہیں کرتا اور زبان وادب میں اپنی مسلسل محنت و ریاضت سے خود کو کامل نہیں کر لیتا، اس وقت تک تخلیق اور ترجمہ نگاری اس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ ایک خلاق ادیب اور عالم ہی بیک وقت اچھا شاعر، ادیب، نثر نگار اور مختلف زبانوں کی سٹرکچر سے آگہی کے باعث مترجم کی ذمہ داریاں ادا کر سکتا ہے۔ اردو ترجمہ نگاری کے ضمن میں مرزا حامد بیگ مترجم اور اس کی صلاحیتوں و خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''صرف زبان دانی کی سطح پر اچھے مترجم کی خصوصیات میں جہاں اور بہت سے اُمور شامل ہیں وہیں زبان کی گرائمر، لفظ کی شناخت، روز مرہ استعارات و کنایات، علامات، تشبیہات، ضرب الامثال اور اُن بولیوں، زبانوں سے واقفیت بھی ضروری ہے جن سے اُردو زبان کی تشکیل عمل میں آئی ہے۔ اس میں زبان کا مزاج، اُسلوبی نظام اور پیرائیہ اظہار کو بھی یکساں اہمیت حاصل ہے۔'' ۴۴

بہ نظر غائر اگر دیکھا جائے تو مترجم کے ترجمے کی زبان علمی وادبی سطح پر جس قدر دونوں زبانوں کی تشبیہات، اِستعارات، علامات، ضربُ الامثال سے مرصع ہوتے ہوئے جتنی واضح، صاف شفاف، پیچیدگیوں سے مبرا، ابہامات سے پاک

اور اپنے پڑھنے والوں کی ذہنی سطح کے قریب ہو گی ترجمہ نگاری اتنی ہی کامیابی سے ہمکنار ہو گی۔ مترجم کو جتنی زبانِ اوّل SL سورس لینگوئج سے گہری آگہی ہو گی اور جتنی TL ٹارگٹ لینگوئج پہ ماہرانہ قدرت ہو گی اور جس قدر اُسے دونوں زبانوں کے علمی وادبی ولسانی انسلاکات سے واقفی ہو گی اور پھر ان سب کے ماہرانہ علمی وادبی استعمال پہ قدرت ہو گی اُسی قدر اس کا ترجمہ، ترجمہ نگاری کا روشن باب رقم کرے گا۔ حقیقی ترجمہ ہی اِنسانیت کی قربت کا ضامن اور اِنسانیت کی اعلیٰ اقدار کی تعمیر وتشکیل میں اپنے حصے کا بہترین کردار ادا کرتا ہے' حسن الدین احمد اس ضمن میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''ترجمہ ہی کے ذریعے لسانی پیراہن بدلتے ہیں اور تمام اِنسانیت کی مِلک بنتے ہیں۔ خواہ مختلف ملکوں اور خطوں کے رہنے والوں کی زبانیں ایک دوسرے سے کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہوں' ان کے دلوں کی زبان ایک ہی ہوتی ہے۔ بعض اوقات یہ دیکھ کر کہ دُنیا کے مختلف ملکوں میں رہنے والے اِنسان جغرافیائی، سیاسی اور معاشرتی ماحول کے اختلاف کے باوجود ذہنی اور جذباتی طور پر کس حد تک ایک دوسرے کے قریب ہیں اور ایک ہی طرح سوچتے اور محسوس کرتے ہیں، حیرت ہوتی ہے۔'' ۴۴

ترجمے کے تناظر میں یہ حقیقت ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ زبانیں اِنسان بولتے ہیں اور اِنسانوں کے جذبات وخیالات واحساسات کا اِظہار ان کی اپنی زبان میں زیادہ صراحت کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ ترجمہ زبان کا لسانی پیراہن

تبدیل کرتا ہے۔لیکن اس کے اندر موجود احساسات و جذبات اور خیالات کی اُسی طرح دوسری زبان میں بھی عکاسی کرتا ہے جس طرح کہ وہ پہلی زبان میں اپنی ذُمہ داری سے عہدہ برا ہو رہا ہوتا ہے۔اسی باعث زبانیں چاہے کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہوں دل ایک ہی طرح دھڑکتے اور احساسات ایک ہی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ایک زبان کے لوگوں کے خیالات کا اِظہار بھی بالکل اُسی طرح ہوتا ہے جس طرح کہ دوسری زبان کے لوگوں کے ہاں ہوتا ہے۔اگر تخلیق کا ترجمہ اس ضابطے کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوگا تو ترجمہ تخلیق کی اثر پذیری کو اپنے جلو میں لیے ہوئے پورے علمی و ادبی وقار کے ساتھ دوسری زبان کے قارئین تک پہنچے گا' ورنہ یہ ایک سعی نامشکور ہوگی۔

ہم جب ترجمے کے جہان میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو مترجم کی کاوش ہمیں اس کی اہلیت، قابلیت اور شخصیت میں وہ بنیادی خصائص ضرور ملیں گے جن کے باعث اُس نے ترجمے کا یہ جہان آباد کیا ہے۔اُردو میں ترجمہ نگاری یا اُردو سے ترجمہ نگاری کے لیے مترجم کا اُردو زبان کے بارے میں، اس کی اصل، اس کی ہیئت، اس کے مزاج، اس کے تہذیبی رچاؤ، اس کے لفظوں کی بنیادی جڑیں اور اس کے الفاظ کے مفاہیم کے بارے میں گہرا علمی گیان موجود ہونا ضروری ہے۔دوسرے لفظوں میں اسے اردو کی ہیئت ترکیبی کا پورا علم ہونا چاہیے۔اِسی تناظر میں مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

> ''اردو مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اردو کی ہیئت ترکیبی کا علم رکھتا ہو، اس میں چار چیزوں کو خاص دخل ہے۔
>
> ا۔اردو زبان کی اصل

۲۔لفظ و معنی

۳۔وضع اصطلاحات کی صلاحیت

۴۔مترادفات و مرادفات کا شعور۔'' ۴۵

یہ چاروں عناصر باہم مل کر مترجم کے علمی شعور کو ایسی کامل صلاحیتوں سے بہرہ ور کرتے ہیں جن کے ماہرانہ اِستعمال سے ترجمے کے جہان میں مترجم اپنا نہایت روشن مقام بنا سکتا ہے۔ یہ مقام اُسے صدیوں تک اُردو اَدب کی تاریخ میں زندہ رکھے گا۔اُردو کا خمیر بہت سی زبانوں سے مل کر اُٹھا ہے۔ان میں عربی' فارسی' تُرکی، افغانی، ہندی، یورپی اور برصغیر کی مختلف علاقوں کی بولیاں شامل ہیں۔مترجم کو اُردو الفاظ کے بارے میں یہ شعور ہونا چاہیے کہ کون سا لفظ کس زبان سے آیا ہے؟ آیا یہ مذکر ہے یا مؤنث، واحد ہے یا جمع، مصدر ہے یا فعل، اسی طرح اس کے تلفظ میں اعراب کا بالکل دُرُست در و بست اسے بخوبی معلوم ہونا چاہیے۔ لفظ کی کامل آگہی، اس کے معانی، معانی کی وسعت، اس کے دُرُست استعمال کا ہنر مندانہ ادراک اور اس کی تاثیر و اثر پذیری سے اُسے کامل آگہی ضروری ہے۔اُردو کی لغت ہی کیا' دُنیا کی ہر لغت کا دائرہ ایک حد تک ہی ہے' لیکن اِنسانی فکر اور تخیل کی بلند پروازی کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ایک لغت 'ایک لفظ کے معنی تو متعین کر سکتی ہے' لیکن ایک ہی معنی کے کیا دو لفظ مہیا کر سکتی ہے؟اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ظاہر ہے اس تناظر میں لغت مترادفات اور مرادفات کا ایک جہان آباد کرتی ہے۔جن کے پنہائیوں میں اُتر کر مترجم تخلیقی ترجمے کے حوالے سے یادگار خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔ترجمے کے ضمن میں خاص طور پر مادری زبانوں میں تراجم کی صورت میں مترجم کو وضع اصطلاحات

کے ذریعے اُردو کی تراکیب کو مادری زبان کی ایسی تراکیب کا جامہ پہنانا ہوتا ہے' جو بیک وقت دونوں زبانوں کے مفاہیم کو اپنی وسعتِ علمی میں سموئے ہوئے ہوں۔اس تناظر میں پنجابی، سندھی، بلوچی، براہوی، کشمیری اور پشتو زبان کے ادب میں مادری زبانوں کے کلاسیک شعرائے کرام نے نظم ونثر کے اتنے یاد گار کارنامے سرانجام دیے ہیں کہ قارئین ان کے مطالعے سے معانی اور ترجمے کی ایک ایسی کائنات میں گُم ہو جاتے ہیں جس کا دوسرا کنارہ کہیں نہیں ہے۔

ترجمے کے اصول وضوابط

ایک اچھا مترجم' ترجمے کے عمل کے دوران کچھ بنیادی اُصولوں کی پاسداری کرتا ہے۔ یہ اُصول اُس کے لیے مسلمہ حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان سے انحراف کی صورت میں اس کی ترجمہ نگاری پہ سوالیہ نشان آجائے گا۔ ترجمے کے ماہرین نے ان میں سے کچھ کی نشاندہی بڑی وضاحت وصراحت سے کی ہے۔ان میں سے پہلا اُصول یہ ہے کہ لفظ کے متبادل میں ایک ہی لفظ چنا جائے اور ممکن حد تک کوشش کی جائے کہ ایسا لفظ چنا جائے جس سے مصدر واضح ہوسکے' نیز اس کے الحاق سے محاورے "ضربُ الامثال" اور ترکیبیں وضع ہوسکیں۔ترکیبیں علمی سطح پہ نہایت دُرُست اور معنویت کی حامل ہونی چاہئیں۔ یہ جتنی واضح ہوں گی ان میں سے اجنبیت اور بیگانگی کی بُو نہیں آئے گی۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ سائنسی اصطلاحات کو بے معنی اور لایعنی اصطلاحات کی نذر کر کے مضحکہ خیز صورت حال پیدا کرنے کی بجائے ان کی اصلی حالت میں ہی برتا جانا چاہیے' تاکہ ان کی معنویت برقرار رہے۔ محض اصطلاحیں گھڑنے میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ اسمائے معرفہ، اسمائے نکرہ اور اسمائے مقامات کو اسی طرح استعمال کیا جانا چاہیے جیسے کہ وہ ہوں۔تذکیروتانیث اورواحد جمع کا خاص خیال رکھا جانا چاہیےاور کہیں بھی خُنثر گربہ کی صورت حال پیدا نہیں ہونی چاہیے۔مندرجہ بالا تمام اُصول بنیادی طور پر ہر زبان میں اسی طرح سے مستعمل ہیں۔ترجمہ چونکہ ایک زبان کے متن کا دوسری

زبان کے متن میں تبدیلی کا نام ہے اِس لیے زبان و بیان کے حوالے سے مترجم کو ان تمام اُصولوں کی اسی طرح پاس داری کرنی چاہیے جس طرح کہ تخلیق کار نے اپنی زبان میں متن دیتے وقت کی تھی۔

فن ترجمہ نگاری میں مندرجہ بالا ان اُصول وضوابط کی پاس داری کے ساتھ ساتھ ترجمے کے حُسن کو اور بھی درخشندہ تر کرنے کے لیے اور ترجمے کے علمی مسائل سے بخوبی عہدہ براہونے کے لیے کچھ اور بھی ضابطے ہیں۔ اس ضمن میں نصیراحمد خان رقم طراز ہیں:

> "ترجمے میں الفاظ کا صحیح استعمال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر ایسا کرنے میں ہم ناکام رہے ہیں تو مرکزی خیال، مجموعی تأثر اور خیال کی شدت' تینوں چیزیں متاثر ہوسکتی ہیں۔ اس لیے اس منزل سے گذرتے وقت (خاص کر شاعری کے ترجمے میں) بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ ہر لفظ معنی کے اعتبار سے اپنا ایک حلقہ رکھتا ہے۔ یہ حلقے اصل کے جتنے مطابق ہوں گے ترجمے کے لیے سُودمند ہوگا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زبان میں وہ الفاظ نہیں ملتے جنہیں ہم کسی خیال کو ادا کرنے کے لیے ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں زبان کی ساخت سے مطابقت رکھنے والے لفظ کو کسی قریبی زبان سے مستعار لے سکتے ہیں۔ یہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس زبان سے ترجمہ کیا جارہا ہے اُس کے اُس لفظ کو ہی اپنالیں جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ بہر حال دونوں

صورتوں میں ترجمہ کی جانے والی زبان کی انفرادیت، مزاج، صوتی آہنگ اور گردانوں میں اس لفظ کی ساخت کے اُصولوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔" ۴۶

ترجمے کے یہ قواعد وضوابط اور اصول درحقیقت ترجمہ نگاری کی صحیح سمت نمائی کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان اصولوں کی پاس داری ترجمے کو تخلیق تک کے مقام ومنصب پر فائز ہونے کے قریب تر لے جاتی ہے۔ تخلیق اصل اور ترجمہ عکس کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر یہ عکس پوری طرح سے مصنف کے آہنگ، لہجہ اور زبان کے مزاج کے قریب آجائے تو یہ ترجمہ ایک تہذیبی بازیافت بھی بن سکتا ہے اور اس طرح ترجمہ دو تہذیبوں اور دو زبانوں کے درمیان ایسے پُل کی حیثیت سے زبان وادب کا حصہ بن سکتا ہے جہاں اس سے اکتسابِ فیض کی بے شمار راہیں کھلنے لگیں گی۔

ترجمے کا ابلاغ

ابلاغ تبلیغ سے نکلنے والا ایسا لفظ ہے جس کے معنی پہنچنے یا پہنچانے کے ہیں۔ اصطلاح میں کسی تخلیق کار کی تخلیق کے مرکزی خیال کی قاری کے ذہن میں پوری معنویت اور جامعیت کے ساتھ جلوہ گری ابلاغ کہلاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ابلاغ ایسا عمل ہے جو کسی تحریر، نثر پارے، شعر یا اس کے ترجمے کو پڑھ کر پڑھنے والے کے ذہن میں یا اُس کو سُن کر سامع کے ذہن میں واقع ہوتا ہے۔ ابلاغ ایک فطری عمل ہے اور فطرت کے دیگر وظائف کی طرح فطری انداز میں اپنی تکمیل کرتا ہے۔

علمی ابلاغ کی دو سطحیں ہیں نفسیاتی اور لسانیاتی۔ ہر ادب پارے کا مطالعہ یا اس کے بارے میں کسی محفل میں ہونے والے تنقیدی اجلاس میں سُن سُنا کر ادب کے حقیقی قاری کے ذہن میں ابلاغ کی یہ دونوں سطحیں اپنے اپنے مقام پہ ابلاغ کے عمل سے گذرتی ہیں۔ ان کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر عنوان چشتی رقم طراز ہیں:

"نفسیاتی سطح وہ سطح ہے جس پر شعور، تحت الشعور اور لا شعور کی قوتیں فطری اصولوں کے مطابق سرگرم عمل ہوتی ہیں

Scanned by CamScanner

اور ایک دوسرے سے پُر اسرار اشتراک عمل کرتی ہیں۔
لسانیاتی سطح وہ سطح ہے جہاں الفاظ اور ان کی مختلف شکلیں اپنی
گرہیں کھولتی اور معانی کا انکشاف کرتی ہیں۔ یہ دونوں عمل
ایک ساتھ رونما ہوتے ہیں اور ایک دوسرے میں پیوست بلکہ
تحلیل ہوتے ہیں ابلاغ کی دونوں سطحوں کا سچا تال میل قاری
کو مصنف کے اصل اور بنیادی خیال تک پہنچاتا ہے۔"۴۷

کوئی بھی فن پارہ اس وقت تک اپنی علمی یا فنی حیثیت کا مالک نہیں ہوسکتا جب تک اس کا قاری اس سے اکتساب لذت و انبساط نہ لے۔ اس کو پڑھ کر مصنف کے مجموعی تاثر اور مرکزی خیال سے قاری اپنے اندر ایک خاص قسم کا حظ محسوس کرتا ہے۔ بالکل ویسا ہی جیسا کہ اُسے تخلیق کرتے وقت تخلیق کار کے اندر اجاگر ہوتا ہے۔ نفسیاتی سطح پہ اس کا انداز احساس کی سطح پہ ہوتا ہے جب کہ لسانیاتی سطح پہ زبان کے صحیح لفظی در و بست اور ان کے حقیقی و معنوی معانی کے ادراک سے تخلیقی عمل جتنی ہی لذت سے گذرتے ہوئے حظ اندوزی کا عالم بنتا ہے۔ ابلاغ کے عمل میں علم، عمر، تجربہ اور ماحول بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان سب کے مطابق ہی ہر عمر اور تجربے کے حامل فرد کا ابلاغ ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر فرد کے ابلاغ کی سطح یکساں ہو۔ کوئی ابلاغ کی ابتدائی منزل پہ اور کوئی انتہائی حالت سے گذرتا ہے۔ ابلاغ کی بنیادی ضرورتیں پوری کر کے ابلاغ کے مسائل کو بڑی حد تک حل کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر عنوان چشتی انہیں چار ضرورتوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی دو ضرورتیں تخلیق کار سے متعلق ہیں جبکہ دوسری دو ترجمہ کار اور ترجمے سے متعلق ہیں۔ پہلی دو ضرورتوں کے ذیل میں تخلیق

اور تخلیق کار پر ڈاکٹر عنوان چشتی یوں لکھتے ہیں:

"پہلی ضرورت مصنف کے بارے میں باخبری ہے۔ مترجم کے لیے مصنف کے فلسفہ حیات' طرزِ احساس' علمی لیاقت' نفسیاتی کیفیت اور اس کے فنی طریقہ کار سے واقفیت ضروری ہے۔ چونکہ ہر مصنف موضوع اور مواد کو اپنے طور پر برتنے کی کوشش کرتا ہے اس لیے اس کی تصنیف کے الفاظ' تراکیب' محاورات' استعاروں' پیکروں' علامتوں اور اساطیر وغیرہ کو مصنف کے فکروفن کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ دوسری ضرورت مصنف کے عہد کا راز داں ہونا ہے۔ ہر تخلیق خواہ کتنی ہی ذاتی اور انفرادی ہو اپنے عہد کے معاشی تہذیبی' سیاسی' ادبی' تعلیمی اور فنی عمل اور ردعمل سے وابستہ ہوتی ہے اور اس سے نمو پاتی ہے۔ اس میں رُوحِ عصر یا تاریخیت کی کسی نہ کسی حد تک جلوہ گری ہوتی ہے۔ اس لیے مصنف کی شخصیت کے ساتھ ساتھ اس کے عہد کی روایات' تحریکات' اقدار اور سماجی پس منظر سے آگاہی ضروری ہے۔" ۴۸

مصنف' اس کی تخلیق' اسکی ادبی حیثیت اور ان کے عہد کے عصری شعور کے تناظر میں یہ صراحت واضح کرتی ہے کہ وہی تخلیق ادب میں کلاسیک کے درجے پہ فائز ہوتی ہے جس میں مصنف کا فلسفہ حیات اور اسکا طرز احساس اپنی علمی لیاقت کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ اس کی تصنیف میں اس کے عہد کے علمیت پورے جاہ وجلال کے ساتھ کارفرما ہوتی ہے۔ مترجم کو اس لیے کسی عہد کی منتخب

Scanned by CamScanner

تصنیف کی ترجمہ کاری سے پہلے مصنف اور اسکے عہد کا بغور ملاحظہ کرنا چاہیے اور پھراس کی تصنیف کے علمی ادبی در و بست کی گہری واقفیت کے لیے اس کی زبان و بیان تراکیب محاورات اور علامات کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔اس کی تخلیق کے بین السطور میں اس کے عہد کی علمی ادبی تحریکات اور تہذیبی، معاشرتی، سیاسی عوامل کی تلاش کا عمل کرنا چاہیے۔ یہ تمام اموراس کی تخلیق کی ترجمہ نگاری میں مترجم پہ بہت سی ایسی حقیقتیں منکشف کریں گے جن سے ترجمے کے ضمن میں ا۔ سے بہت سی آگہی ملے گی۔جس سے استفادہ کرتے ہوئے مترجم اس کے ترجمے میں بڑے علمی انہماک سے اس کی زبان اور اس کا تہذیبی شعور اجاگر کر سکے گا۔یہی سماجی پس منظر ترجمہ نگاری کے ذیل میں مترجم کی ترجمہ کاری کو مصنف کے عہد کی صورت حال سے ہم آمیز رکھے گا۔ظاہر ہے ایسے ہی زندہ و جاوید تراجم اور تخلیقات صدیوں کا سفر طے کرکے آتے جاتے زمانوں میں ادب کے قارئین کو نئی تہذیب وتمدن کی استواری میں مدد دیں گے۔مترجم جب مصنف اوراس کی تصنیف کے بارے میں اس درجہ علمی و ادبی معلومات اور بصیرت افروزی سے تلاش و تحقیق اور جستجو بھری ریاضت کرے گا تو یقیناً اس کا اثر اسکے ترجمے میں ضرور آئے گا۔ڈاکٹر عنوان چشتی نے ترجمہ نگاری کے ذیل میں مزید دو ضرورتوں کی بات کرتے ہوئے ترجمہ نگاری کے لیے منتخب تصنیف اور اس کی املاء، زبان شناسی کو موضوع بنایا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

”تیسری ضرورت اس زبان کی تاریخ سے واقفیت ہے جس سے ترجمہ کرنا ہے اور جس میں ترجمہ کرنا ہے۔ ہر لفظ

کی ایک تاریخ ہوتی ہے۔ اس کا املاء تلفظ، محل استعمال اور
معانی و تلازمات بدلتے رہتے ہیں۔ اس لیے ان تمام
تبدیلیوں کا رمز شناس ہونا ضروری ہے۔ چونکہ ابلاغ کا عمل
زبان شناسی کے لمحہ اول سے شروع ہوتا ہے اس لیے اصل فن
پارے کی زبان پہ قدرت ہونی چاہیے۔ اس کی گرائمر ساخت
اور صوتیات سے واقفیت ہونی چاہیے۔ اس زبان کی نمایاں
تکنیکوں، ہیئتوں اور اسالیب کا شعور ہونا بھی لازمی ہے۔
مترجم کے لیے اس طرح کے تمام اسرار و رموز سے واقفیت
ضروری ہے جن کا تعلق زبان اور علم سے ہوتا ہے۔" ۴۹

مترجم کے لیے دونوں زبانوں میں املاء، تلفظ، الفاظ و معانی اور تلازمات کے تناظر میں گہری آگہی ضروری ہے۔ یہ اسے ہر عہد میں اس تناظر میں آنے والی تبدیلیوں سے آگاہ رکھے گی۔ اس طرح سے زبانوں کا تاریخی اور بتدریج ارتقاء اس کو زبانوں پہ زباندانی کے حوالے سے کروٹ کروٹ تبدیلی سے واقفی عطا کرے گا جو یقیناً اس ترجمہ نگاری کو رفعتیں عطا کرتے ہوئے تاریخ میں اس کے مقام کے تعین میں مددگار ہو گی۔ زبان کی گرائمر، صوتیات اور اس کی ساخت میں در آنے والی تبدیلیاں جہاں لفظوں کی معنویت کو اور زیادہ واضح کرنے میں مترجم پہ نئے افق وا کریں گی وہیں اس کے ترجمے کو عصر حاضر میں زباندانی کے تناظر میں جدتوں سے ہم آمیز ہونے میں بھی معاونت دیں گی۔ یوں دیکھا جائے تو عنوان چشتی نے جن ضرورتوں کو واضح کیا ہے ان کی انفرادیت اور اہمیت دوچند ہے۔ ترجمے کے لیے منتخب کتاب کے تناظر میں اس موضوع کی اہمیت اور

Scanned by CamScanner

جامعیت کے تناظر میں آپ رقم طراز ہیں:

"چوتھی ضرورت مترجم کے ذہنی افق کا وسیع ہونا ہے۔ مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے اس کے موضوع پہ حاوی ہو اور موضوع سے متعلق ثانوی چیزوں کا علم رکھتا ہو۔ ان ضرورتوں کو پورا کیے بغیر مترجم کے ذہن میں مصنف کے اصل خیال کا مکمل ابلاغ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی مترجمین نے ان ضرورتوں کا پوری طرح سے لحاظ نہیں کیا۔ اس لیے ان کے اکثر منظوم ترجمے بے روح اور اصل سے دور ہیں۔" ۵۰

زبان شناسی کی روایت سے مترجم کی آگہی جہاں اسے زبان اور زبان و بیان کی وسعتوں سے آشنا کرے گی وہیں اپنے موضوع پر سیر حاصل مطالعہ اس کے ذہنی افق کو وسیع کرے گا۔ موضوع کی جامعیت کے لیے موضوع سے متعلق ثانوی مطالعات ترجمے کا حق ادا کرنے میں مترجم کی بہت مدد کرتے ہیں۔ ان سے ترجمے میں معنویت اور دل آویزی بڑھے گی۔ یوں دیکھیں تو زبان شناسی سے موضوع آگہی تک مترجم کے ذہنی اُفق کی وسعتیں اس کے ترجمے کے ابلاغ میں اپنے حصے کا کردار ادا کریں گی اور ایسا ترجمہ وجود میں آنے میں اس کی مدد کریں گی جس میں رُوحِ عصر بھی اور مصنف کی رُوح بھی پوری طرح سے جگمگا رہی ہوں گی۔ اس سلسلے میں مترجم کا ترجمے کا ذوق اور استعداد دونوں جس قدر بہتر ہوں گے اور نفسِ مضمون پہ اسے جس قدر قدرت ہوگی وہ اصل متن کو اتنی ہی عمدگی سے ترجمے کے ملبوس میں پیش کر سکے گا۔ یہی استعداد اور قدرتِ بیان اس

کا ترجمہ اس کے وسعتِ مطالعہ کے باعث آبدار موتی کی طرح دمکنے لگے گا۔ کو مصنف کے اصل مفاہیم کی تہہ تک اترنے میں ممد و معاون ہوں گے یوں اس

اب یہاں کئی ایک اور سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ اگر متن اتنا پہلودار ہو کہ ہر سمت سے اس کے نئے معانی نکلتے ہوں یا عبارت کا مفہوم زیادہ واضح نہ ہو یا بات اتنی ڈھکی چھپی ہو کہ اس کی صراحت کا سرا معدوم ہو تو مترجم کیا کرے؟ تو اس تناظر میں عرض ہے کہ اگر مصنف کا مافی الضمیر زیادہ واضح نہ ہو تو مترجم اس کو دیکھے گا کہ اُس نے علامت کے پیرائے میں اخفاء سے کام لیا ہے یا خود بات اُس پہ یعنی واضح نہ تھی۔ مترجم اس نکتے کی جامعیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مصنف کی رُوح کو تلاش کرے گا۔ اگر اصل متن واضح نہیں تو مترجم اس کی وضاحت کر دے گا۔ اگر اسلوبِ بیان کے تناظر میں بات علامت کے پیرائے میں کی گئی ہے تو مترجم بھی علامت کی زبان میں ہی حُسنِ بیان کا معاملہ کرے گا۔ مترجم مصنف کے عصری شعور کے تناظر میں دیکھے گا کہ کیا یہ اخفاء مذہبی، سیاسی یا معاشرتی تناظر میں برتا گیا ہے یا مصنف پہ خود یہ معاملہ ہی واضح نہ تھا۔ اس سلسلے میں موضوع پہ متوازی مطالعہ مترجم کی مدد کرے گا کہ آیا عبارت کو زیادہ واضح کرنا مطلوب ہے یا نہیں؟ مصنف کے منشا کے مطابق ہی مترجم ترجمہ کرے گا تو یہ حُسن ادا ہو گی۔

اگر مترجم یہ دیکھے کہ مصنف نے عبارت آرائی کے ذریعے کچھ اور معنی اور مفاہیم بھری صورتِ حال پیدا کی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے مصنف کے طرزِ نگارش سے اس صورتِ حال کی وسعت اور جامعیت کا اندازہ لگاتے ہوئے منشائے مصنف تک پہنچے اور ایسی تراکیب برتے جو ہشت پہلو معانی کے امکانات کو سامنے لا سکیں اور حقِ ترجمانی ادا کر سکیں۔ یہی تو ترجمہ نگاری ہے کہ

کوئی امکان تشنہ نہ رہے اور ابہام سے معنویت تک کا سارا فاصلہ مترجم کے اسلوب میں سمٹ کر ترجمے کے وسیع دنیا کو آب دار لو عطا کرے۔ یوں ہی ترجمے سے ہی حق ترجمہ ادا ہوگا۔ وگرنہ:

؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ڈاکٹر انوار احمد اعجاز

حوالہ جات

۱)۔خالد احمد پیش لفظ' ص ۲۱ ر مشمولہ قصیدہ بردہ شریف اسیر عابد' المدینہ دارالاشاعت' لاہور' ۲۰۰۸ء' ص ۲۱

۲)۔خلیق انجم' ڈاکٹر' اُردو ترجمے کا ارتقا' ص ۱۷' مشمولہ: فن ترجمہ کاری' مرتب: صفدر رشید' پورب اکیڈمی' اسلام آباد، 2015ء

۳)۔سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، جلد اول، مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، ۱۹۷۴ء، ص ۶۰۱

۴)۔نورالحسن نیر مولوی، مرتب: نورُ اللغات، جلد اوّل، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۳۲

۵)۔وارث سرہندی، مرتب: علمی اُردو لغت، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۲۰۲۱ء، ص ۴۴۴

6- Oxford Advance Learner's Dictionary, Oxford University Press, New York, 2010, P. 1646

۷)۔نورالحسن نیر، نورُ اللغات، ص ۱۰۳۲

۸)۔وارث سرہندی، علمی اُردو لغت، ص ۴۴۴

۹)۔فیروز دین مولوی، فیروز اللغات، ص ۳۵۴

۱۰)۔نگہت جمال، ڈاکٹر، مبادیات ترجمہ، فرانسیسی ادب کے اردو تراجم، ص ۲، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۱۴

۱۱)۔مظفر علی سید، فن ترجمہ کے اصولی مباحث، مشمولہ اُردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۳۳

۱۲)۔حسن الدین احمد' فن ترجمہ' مشمولہ: فن ترجمہ کاری' مرتب' صفدر رشید' پورب اکیڈمی' اسلام آباد' ۲۰۱۵ء' ص ۴۷

۱۳)۔ نگہت جمال' ڈاکٹر' مبادیات ترجمہ' فرانسیسی ادب کے اُردو تراجم' پنجاب یونیورسٹی' ۲۰۱۴ء' ص ۲

۱۴)۔حسن الدین احمد' فن ترجمہ' مشمولہ: فن ترجمہ کاری' صفدر رشید' پورب اکادمی' اسلام آباد' ص ۴۷'۵

۱۵)۔انیس ناگی' ڈاکٹر' ترجمے کا فن' تشکیلات' جمالیات' لاہور' ۲۰۰۶ء' ص ۲۶۲' ۲۶۳

۱۶)۔جیلانی کامران' ترجمے کی ضرورت' تنقید کا نیا پس منظر' مکتبہ جدید ادب' لاہور' ۱۹۶۴ء' ص ۶۱' ۶۲

۱۷)۔جیلانی کامران' ترجمے کی ضرورت' تنقید کا نیا پس منظر' ص ۶۲

۱۸)۔نصیر احمد خان' ترجمہ اور لسانیات' مشمولہ: فن ترجمہ کاری' پورب اکیڈمی' اسلام آباد' ص ۱۶۹

۱۹)۔جیلانی کامران' ترجمے کی ضرورت' تنقید کا نیا پس منظر' مکتبہ ادب جدید' لاہور' ۱۹۶۴ء' ص ۶۱

۲۰)۔انیس ناگی' ڈاکٹر' ترجمے کی ضرورت' تصورات' جمالیات' لاہور' ۱۹۸۴ء' ص ۲۵

۲۱)۔نگہت جمال' ڈاکٹر' مبادیات ترجمہ' فرانسیسی ادب کے اردو تراجم' ص ۲' ۳

۲۲)۔ظ۔ انصاری' ترجمے کے بنیادی مسائل' مشمولہ: ترجمہ روایت اور فن' مرتب: نثار احمد قریشی' مقتدرہ قومی زبان' اسلام آباد' ۱۹۸۵ء' ص ۱۰۲

۲۳)۔جمیل جالبی' ڈاکٹر' ترجمے کے مسائل' تنقید اور تجربہ' یونیورسل بکس' لاہور' ۱۹۸۸ء' ص ۱۰۷

۲۴)۔مرزا حامد بیگ' ڈاکٹر' اُردو ترجمے کی روایت' دوست پبلی کیشنز' اسلام آباد' ۲۰۱۳ء' ص ۶۴

۲۵)۔جمیل جالبی' ڈاکٹر' ترجمے کے مسائل' تنقید اور تجربہ' یونیورسل بکس' لاہور' ۱۹۸۸ء' ص ۱۰۹' ۱۱۰

Scanned by CamScanner

۲۶)۔نگہت جمال'ڈاکٹر'مبادیاتِ ترجمہ'فرانسیسی ادب کے اردو تراجم'ص۹

۲۷)۔انیس ناگی'ڈاکٹر'ترجمے کا فن'تشکیلات'جمالیات'لاہور'۲۰۰۶ء'ص۲۶۰

۲۸)۔نگہت جمال،ڈاکٹر،مبادیات،ترجمہ فرانسیسی ادب کے تراجم،پنجاب یونیورسٹی،لاہور،۲۰۱۴ء،ص۱۰

۲۹)۔جمیل جالبی ڈاکٹر،ترجمے کے مسائل،تنقید اور تجزیہ،یونیورسل بک،لاہور،ص۱۱۰

۳۰)۔محمد حسن،پروفیسر،ترجمہ نوعیت اور مقصد،فن ترجمہ کاری،مرتب صفدر رشید،پورب اکیڈمی،اسلام آباد،۱۶۴

۳۱)۔محمد حسن،پروفیسر،ترجمہ نوعیت اور مقصد،فن ترجمہ کاری،صفدر رشید،پورب اکادمی،اسلام آباد

۳۲)۔جمیل جالبی،ڈاکٹر،ترجمے کے مسائل،ص۱۰۹

۳۳)۔پروفیسر محمد حسن،ترجمہ نوعیت اور مقصد،مشمولہ:فن ترجمہ کاری،صفدر رشید،پورب اکادمی،اسلام آباد،ص۱۶۵

۳۴)۔تحسین فراقی،ڈاکٹر،فکریات،لاہور محسن علی ادب ۲۰۰۹ء

۳۵)۔محمد حسن،پروفیسر،ترجمہ نوعیت اور مقصد،مشمولہ:فن ترجمہ کاری،صفدر رشید،پورب اکیڈمی،اسلام آباد،۲۰۱۵ء،ص۱۶۵

۳۶)۔مرزا حامد بیگ ڈاکٹر،اُردو ترجمے کی روایت،دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد ۲۰۱۴ء ص۴۷

۳۷)۔جمیل جالبی،ڈاکٹر،ترجمے کے مسائل،ص۱۱۰

۳۸)۔انیس ناگی،ڈاکٹر،ترجمے کا فن،تشکیلات،۲۰۰۶ء،ص۲۵۹

۳۹)۔مرزا حامد بیگ،ڈاکٹر،اُردو ترجمے کی روایت،ص۲۵

۴۰)۔انیس ناگی،ڈاکٹر،ترجمے کا فن،تشکیلات،ص۲۵۹،۲۶۰

۴۱)۔انیس ناگی،ترجمے کا فن،تشکیلات،۲۰۰۶ء،ص۲۶۰۔۲۶۲

۴۲)۔مرزا حامد بیگ،اُردو ترجمے کی روایت،ص۹۸

۴۳)۔مرزا حامد بیگ،اُردو ترجمے کی روایت،ص۶۸،۸۹

۴۴)۔حسن الدین احمد،فن ترجمہ کاری،ص۸۲

۴۵)۔مرزا حامد بیگ،اُردو ترجمے کی روایت،ص۶۹،۷۰

۴۶)۔نصیر احمد خان،ترجمہ اور لسانیات،فن ترجمہ کاری،صفدر رشید،پورب اکادمی،اسلام آباد،۲۰۱۵ء،ص۱۷۱

۴۷)۔عنوان چشتی،ڈاکٹر،منظوم ترجمے کا عمل،فن ترجمہ کاری،صفدر رشید،پورب اکیڈمی اسلام آباد،ص۲۶۲

۴۸)۔عنوان چشتی،ڈاکٹر،منظوم ترجمے کا عمل،فن ترجمہ کاری،صفدر رشید،پورب اکیڈمی،اسلام آباد،ص۲۶۳،۲۶۴

۴۹)۔عنوان چشتی،ڈاکٹر،منظوم ترجمے کا عمل،ص۲۶۴

۵۰)۔عنوان چشتی،ڈاکٹر،منظوم ترجمے کا عمل،ص۲۶۴

المراجع والمصادر

(فنِ ترجمہ کاری کے لیے بنیادی کتب و مضامین)

کتب

﴿01﴾ "فنِ ترجمہ کاری" صفدر رشید/ پورب اکیڈمی اسلام آباد 2015ء

﴿02﴾ "ترجمہ کاری" ڈاکٹر فاخرہ نورین/ ادارہ تحقیقات اُردو اسلام آباد 2014ء

﴿03﴾ "ترجمہ کا فن اور روایت" ڈاکٹر قمر رئیس/ سٹی بک پوائنٹ اُردو بازار کراچی 2016ء

﴿04﴾ فنِ ترجمہ نگاری نظریات" خالد محمود خان/ عکس بکس اُردو بازار لاہور 2014ء

﴿05﴾ اصطلاحاتِ ترجمہ نظریات" خالد محمود خان/ عکس بکس اُردو بازار لاہور 2014ء

﴿06﴾ "اُردو زبان میں ترجمے کے مسائل" اعجاز راہی/ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1986ء

﴿07﴾ ترجمہ روایت اور مسائل" نثار احمد قریشی/ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1985ء

﴿08﴾ اُردو ترجمے کی روایت" ڈاکٹر مرزا حامد بیگ/ دوست پبلی کیشنز اسلام آباد 2013ء

﴿09﴾ فرانسی ادب کا اُردو ترجمہ" ڈاکٹر نگہت جمالی/ پنجاب یونیورسٹی لاہور 2014ء

﴿10﴾ علوم ترجمہ پاکستانی تناظر" شیخ عبدالرشید المعید پبلشرز مسلم آباد گجرات 2018ء

مضامین

﴿01﴾ ترجمے کے مسائل" ڈاکٹر جمیل جالبی مشمولہ تنقید اور تجربہ یونیورسل بکس لاہور 1988ء

﴿02﴾ ترجمے کے مسایل ڈاکٹر انیس ناگی مشمولہ تصورات جمالیات لاہور 1984ء

﴿03﴾ ترجمے کی ضرورت جیلانی کامران مشمولہ تنقید کا نیا پس منظر مجلہ جدید ادب لاہور 1964ء

﴿04﴾ فنِ ترجمہ نگاری کے مباحث ڈاکٹر انوار احمد چہ ماہی لیکھ لاہور جلد ۱۳ شمارہ ۲ جولائی تا دسمبر 2018ء

دی اکیڈمکس (رجسٹرڈ) لاہور